Human Rights Commission of Pakistan

Funded by the European Union

اظہار رائے کی قیمت

پاکستان میں اظہار رائے کی آزادی کی صورتحال 2022-2024

2025 © پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

اس اشاعت کا کوئی حصہ اصل ماخذ کا حوالہ دے کر استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اس اشاعت کے مندرجات کی درستگی کو یقینی بنانے کے لیے ہر کوشش کی گئی ہے۔ تاہم پاکستان انسانی حقوق کمیشن کسی نادانستہ غلطی کا ذمہ دار نہیں۔

آئی ایس بی این 978-627-7602-61-1

ویژنری ڈویژن نے پرنٹ کیا

90اے ائیر لائینز ہاوسنگ سوسائٹی

خیابان جناح لاہور

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

ایوان جمہور

107۔ٹیپو بلاک۔ نیو گارڈن ٹاون

لاہور 546000

ٹیلی فون نمبر۔+92 42 3583 8341, 3586 4994, 3586 9969

ای میل:hrcp@hrcp-web.org

www.hrcp-web.org

اظہار تشکر

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق اس رپورٹ کو تیار کرنے کے لیے ماہم ماہر کا شکر گزار ہے۔ اور اس رپورٹ کی پروڈکشن کا انتظام سلمان فرخ اور حلیمہ اظہر نے کیا۔ فرح ضیا، حارث خلیق اور مہین پراچہ نے اس رپورٹ پر نظر ثانی کی اور اسے ایڈٹ کیا۔ مریم آصف نے اس کا سرورق بنایا۔ اور عبیر خان نے اسکی تزئین کی۔ کمیشن ان سب کا ممنون ہے۔

مصنف خاص طور سے عثمان ظفر کا شکریہ ادا کرتی ہیں جنہوں نے اس رپورٹ کو تیار کرنے میں ادارتی اور اخلاقی اعانت کی۔

اعلان: یہ دستاویز یورپی یونین کی مالی امداد سے تیار کی گئی ہے۔ اس دستاویز کے مندرجات کے لیے محض پاکستان انسانی حقوق کمیشن ذمہ دار ہے۔ اور کسی بھی صورت میں یہ مندرجات یورپی یونین کے موقف کی عکاسی نہیں کرتے۔

Funded by the European Union

فہرست

تعارف	3
پس منظر	5
اظہار رائے کی آزادی اور سینسر شپ کی تعریفیں	7
بندوق کی نوک سے بیلٹ باکس تک	9
سیاسی قتل کا واقعہ	9
نومئی کی کوریج	10
نومئی کے بعد۔ایک ملاقات کافی کے بغیر	12
عام انتخابات	13
سینسر شپ 2.0	14
زیادہ سنسر شپ لیکن اظہار رائے کے نئے گوشے	14
سنسر شپ کا تفصیلی جائزہ: قوانین اور ان کے خلاف درخواستیں	16
وی لاگرز: ایک آدمی پر مشتمل نیوز روم	18
ایک بُرا کاروبار: ٹیلی ویژن کے اشتہارات اور آمدن داؤ پر	23
فائر وال۔ بیک ڈرافٹ اور پلیٹ فارم کا احتساب	25
حرف آخر: امید کی کرن	29

زبان بندی کے موسم میں گلی کوچوں کی مت پوچھو
پرندوں کے چہکنے سے شجر آباد ہوتے ہیں

خلیق انجم[1]

تعارف

سال 2022 کے اوائل میں پاکستان تحریک انصاف سیاسی مخالفت کا خاص طور پر ہدف بنی۔ اس وقت پارٹی کے رہنما عمران خان کو عدم اعتماد کے ووٹ کے ذریعے وزیر اعظم کے عہدے سے ہٹا دیا گیا۔ یہ تاریخی واقعہ میڈیا کے منظر نامے پر بھی انتہائی ہنگامہ خیزی کا حامل تھا۔ نیوز رومز دباؤ میں تھے کہ اہم واقعات کی حامل خبروں سے کیسے نپٹیں کیونکہ نشر و اشاعت پر ریاست کی طرف سے مسلط کردہ حدود اس طرح سے تبدیل ہونے لگیں کہ کچھ بھی خلاف توقع ہوسکتا تھا۔ نتیجہ میں صحافتی تحقیقات کا دائرہ محدود ہو گیا۔ وزیر اعظم کے خلاف عدم اعتماد کے متنازع ووٹ کے ردعمل میں عوامی تلخی اور غصے کی ایک لہر اٹھی۔ کوئی بھی اس شدید غصے کا ہدف بننے سے نہیں بچا۔ سیاست دان، بیوروکریسی، عدلیہ اور فوج شدید قسم کے ایسے تنقیدی تجزیوں کا موضوع تھے جن کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی۔ لیکن اِن سیاسی خیالات کا آزادانہ طور پر اظہار کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

میڈیا، چاہے وہ مین اسٹریم ہو (جیسے اخبارات اور ٹیلی ویژن چینلز) یا آن لائن، ایک نیا میدان جنگ بن گیا۔ لکیریں کھینچ دی گئیں۔ بہت سے افراد جو عدم اعتماد کے ووٹ سے قبل عمران خان کی حمایت کرتے تھے وہ ان کی حمایت پر قائم رہے، جبکہ بعض نے اپنا راستہ بدل لیا۔ یوٹیوبرز کے وی لاگز اور ٹوئٹر اسپیسز حالاتِ حاضرہ کے پلیٹ فارم میں تبدیل ہوگئے۔ اس بند ماحول میں یہ بات گونج رہی تھی کہ میڈیا نیٹ ورکس اور ان کے صحافی کسی فریق کے حق میں ہیں یا مخالف۔

یہ صورتحال 9 مئی 2023 کو عمران خان کی گرفتاری کے خلاف ہنگامے ہونے تک برقرار رہی۔ ان ہنگاموں کے بعد ریاست نے اپنا تحمل ترک کر دیا اور وہ غیر فعال مزاحمت سے آگے بڑھ گئی۔ ایک سرخ لکیر کھینچ دی گئی۔ ریاست نے پی ٹی آئی اور میڈیا میں اس کے حامیوں کے خلاف بھرپور مہم شروع کر دی۔ سیاسی جبر کی ایک نئی لہر شروع ہوگئی۔ بڑے پیمانے پر گرفتاریاں ہوئیں، ڈیجیٹل پلیٹ فارمز پر ہدف بنا کر' ٹارگٹڈ پابندیاں لگائی گئیں اور پی ٹی آئی سے ہمدردی رکھنے والی اہم میڈیا شخصیات کا اغوا ہوا۔ اس صورتحال میں بہت سے صحافیوں کو زندہ رہنے کے لیے خاموشی اختیار کرنا پڑی۔

2024 کے انتخابات کی جانب پیشرفت کا عمل ریاست کی جانب سے سخت گیری سے متصف تھا، اس کا عروج ایک سخت کنٹرول شدہ انتخابی عمل کی صورت میں سامنے آیا جس میں اظہار رائے کی آزادی کا بھرم بھی باقی نہ رہا۔ 8 فروری 2024 کو چھ کروڑ پاکستانیوں نے ایک نئی حکومت کے قیام کے لیے اپنا ووٹ کاسٹ کیا لیکن اس کے نتیجے میں عوام نے ملک میں صرف بے چینی، گرفتاریاں اور سیاسی تقسیم کو مزید گہرا ہوتے دیکھا۔ ریاست نے عمران خان کے خلاف عدالتی مقدمات کی بوچھاڑ کر دی اور اُنہیں جیل بھیج دیا جبکہ پی ٹی آئی کے باقاعدہ ارکان کو ظالمانہ گرفتاریوں کے سلسلہ کا سامنا کرنا پڑا۔[2] ڈرامائی گفتگو کا اُسلوب رکھنے والے میڈیا کے مقبول افراد نے سامعین کو متوجہ کرنے والے پیرائے (الگورتھم) اختیار کیے اور طاقتور اداروں پر اپنی تنقید بڑھا دی جس پر انہیں ملک سے یا تو فرار ہونا پڑا یا اُنہیں حراست میں لے لیا گیا۔ جیسے جیسے سنسر شپ کا دائرہ بڑھتا گیا، پاکستان میں آزادیٔ اظہار رائے کمزور ہوتی گئی، یہ آزادی اتنی سکڑ گئی کہ نظر آنا مشکل ہوگئی۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اگرچہ سینسر شپ نے بہت سے

لوگوں کے لیے بات کرنے کی گنجائش کم کردی، لیکن اس کا اطلاق اُن لوگوں پرنہیں ہوا جو ریاست کے مفادات کو پورا کرتے ہیں ۔ان کے لیے اظہار کی گنجائش زیادہ کردی گئی یا پھر معمول کے مطابق برقرار رکھی گئی تا کہ انہیں آسانی فراہم کی جائے ۔بعض افراد کے لیے پابندیوں کا سخت ہونا اور بعض کو مکمل آزادی کی فراہمی ۔اس دوغلے پن سے تضاد پر مبنی منظر بنتا نظر آیا۔ایک ایسا منظر جس میں پاکستان میں اظہار رائے کی آزادی کم بھی ہوئی اور بڑھ بھی گئی۔جب یہ رپورٹ تیار کی جارہی تھی ، مخصوص افراد کے خلاف سختیاں اپنی پوری رفتار سے جاری تھیں ۔اس سے عندیہ ملتا ہے کہ اس رپورٹ میں ریکارڈ کیے گئے مشاہدات سے زیادہ تلخ حقائق بھی سامنے آنے کا امکان ہے۔

اس رپورٹ کا مقصد ان واقعات کو گرفت میں لانا ہے جنہوں نے زیر بحث دو برسوں یعنی اپریل 2022 سے اپریل 2024 کے دوران اظہار رائے کی آزادی کے منظر نامے کو نئی شکل دی ، جن کے اثرات لوگوں کی معلومات فراہم کرنے اور معلومات حاصل کرنے کی صلاحیت پر مرتب ہوئے ۔اس میں کراچی اور اسلام آباد میں اپریل سے جولائی 2024 کے دوران آمنے سامنے بیٹھ کر کیے گئے متعدد تفصیلی انفرادی انٹرویوز شامل کیے گئے ہیں اور ساتھ ہی آن لائن انٹرویوز بھی شامل ہیں۔انٹرویوز کے لیے منتخب افراد میں مختلف بیٹ رپورٹرز، ملٹی میڈیا صحافی، ٹیلی ویژن چینلز کے مختلف امور، اخبارات اور ڈیجیٹل آپریشنز چلانے والے نیوز روم کے عملے، سوشل میڈیا انفلوئنسرز (جن میں سے اکثر اپنی نیوز روم کی نوکریوں کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے)، آزادی اظہار کے مقدمات سے منسلک وکلاء' انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے کام کرنے والے افراد، نیوز رومز کے سینئیر عہدوں پر فائز افراد اور آزاد تجزیہ کاروں کو شامل کیا گیا ہے۔ اس رپورٹ میں میڈیا کے ان کارکنوں کے نقطۂ نظر کو شامل کرنے کی کوشش کی گئی جو معروف چہرے نہیں لیکن خبروں کی جمع آوری کے لیے پس پردہ رہ کر کام کرتے ہیں۔ جن لوگوں کے انٹرویو لیے گئے ان میں سے زیادہ تر نے کھُل کر اور آن ریکارڈ بات کی۔صرف دو جواب دہندگان نے قطعی طور پر نام ظاہر نہ کرنے کی درخواست کی ۔ایک تو وہ خطرات سے خوفزدہ تھے، دوسرے یہ کہ سینئر عہدوں پر فائز تھے۔

اظہار رائے کی آزادی کو محض سنسر شپ انڈیکس یا جمع تفریق سے ترتیب دئے گئے اعداد وشمار' ڈیٹا پوائنٹس سے نہیں ماپا جاسکتا۔اس رپورٹ کا مقصد پڑھنے والوں کو معلومات کی فراہمی سے کچھ زیادہ پیش کرنا ہے۔امید ہے کہ یہ رپورٹ خاموشی اور مزاحمت کے درمیان ایک دائمی جدوجہد میں پھنسے ہوئے ملک کی روح کو اجاگر کرے گی۔ یہ کہانی شناخت اور اعتماد کے بحران کی ایک کہانی ہے جس سے میڈیا کی صنعت اور اس کے صارفین (قارئین و سامعین) دوچار ہیں۔ساتھ ہی یہ کہانی لوگوں کی اُس مستقل خواہش کا ایک ثبوت ہے کہ ناخوشگوار نتائج اور معمولی وقت کے باوجود وہ آزادی سے بولنا چاہتے ہیں۔

لاہور، پاکستان میں عمران خان کی گرفتاری کے خلاف احتجاج کرنے والے مظاہرین کو منتشر کرنے کے لیے جب پولیس نے آنسو گیس فائر کی، تو سابق وزیر اعظم عمران خان کے حامیوں نے پتھراؤ شروع کر دیا۔[کے ایم چودھری/اے پی]

پس منظر

پاکستانی میڈیا کے تناظر میں اظہار رائے کی آزادی کا تعین صرف اپریل 2022 سے اپریل 2024 تک کے اعداد و شمار تک ہی محدود نہ رکھا جائے[3] تو اس کا بہتر تعین وزیر اعظم اور فوجی مقتدرہ (اسٹیبلشمنٹ) کے سینئر ارکان کی قسمت میں اُتار چڑھاو سے بھی کیا جا سکتا ہے، کیونکہ ان کی صورتحال کا آزادی اظہار کی صحت سے گہرا تعلق ہے۔ 2022 میں، ایک اہم ریٹائرمنٹ ہوئی یعنی جنرل قمر جاوید باجوہ کی بطور آرمی چیف ریٹائرمنٹ سے سہ رخی تبدیلی آئی۔ اس کی وجہ سے آئی ایس آئی کے نئے سربراہ کا انتخاب ہوا، اگلے انتخابات اور وزیر اعظم عمران خان کے مستقبل سے متعلق تبدیلی آئی۔ اقتدار کی کشمکش میں عدلیہ، میڈیا، بیوروکریسی اور یہاں تک کہ سول سوسائٹی کو بھی داغدار ہوتے دیکھا گیا۔

اپریل 2022 میں عمران خان کو عدم اعتماد کے ووٹ کے ذریعے گھر بھیج دیا گیا اور اُن کی حکومت تحلیل کر دی گئی۔[4] اسٹیبلشمنٹ نے تحریک انصاف کے خلاف سختیاں شروع کر دیں۔ صحافی اور وہ نامی گرامی یوٹیوبرز جنہوں نے یا تو کھلے عام خود کو پی ٹی آئی کا حامی قرار دیا تھا یا اپنے نقطہ نظر کی وجہ سے وہ ایسے سمجھے جاتے تھے، وہ ملک سے فرار ہو گئے یا ریاست کے شکنجے میں پھنس گئے۔ عمران خان نے احتجاج کرنے کے لیے سڑکوں اور سائبر اسپیس کی مدد لی، ایسی اشتعال انگیز تقریریں کیں (یہاں تک کہ پاکستانی معیار کے اعتبار سے بھی) کہ آخر کار ان تقاریر کو نشر کرنے پر پابندی لگا دی گئی۔[5] ایک تقریباً بے مثال پیش رفت یہ ہوئی کہ عمران خان نے متواتر اور ثابت قدمی کے ساتھ یہ الزام لگایا کہ فوجی مقتدرہ، حکومت اور یہاں تک کہ امریکا نے اُنہیں عہدے سے ہٹانے کی سازش کی۔ عمران خان کے خلاف توہین مذہب سے لے کر بدعنوانی تک کے الزامات کے تحت ایک سو سے زائد مقدمات درج کیے گئے، انہیں گرفتار کرنے کی چند کوششیں بھی کی گئیں۔

بعض دیگر آوازوں نے بھی زور پکڑا۔ اُنہوں نے عدم اعتماد کے ووٹ سے متعلق کہانیوں کی تفصیلات بیان کیں تو جلد ہی انہیں بھی اس کی قیمت ادا کرنا پڑی۔ پی ٹی آئی کے شہباز گل کا انٹرویو اے آر وائی کے پرائم ٹائم ٹاک شو کے میزبان ارشد شریف کے لیے مہنگا ثابت ہوا، کیونکہ مبینہ طور پر شہباز گل نے لائیو ٹیلی ویژن نشریات کے دوران فوجی افسران کو اپنے ادارے کے خلاف بغاوت پر اُکسایا۔ ارشد شریف پر غداری کا مقدمہ قائم ہو گیا اور وہ پاکستان سے فرار ہو گئے۔ اکتوبر 2022 میں یہ خبر آئی کہ انہیں کینیا میں قتل کر دیا گیا۔[6] یہ خبر ابھی منظر نامے پر موجود تھی کہ عمران خان پر قاتلانہ حملہ کی کوشش کی گئی۔[7] کچھ ہی دیر بعد جنرل عاصم منیر نئے چیف آف آرمی اسٹاف بن گئے۔ یہ وہ شخص تھے جن کو عمران خان نے بطور وزیر اعظم ڈی جی آئی ایس آئی کے عہدے سے ہٹایا تھا۔ یہ تقرر اس بات کے باوجود ہُوا کہ عمران خان کی پارٹی نے اُن کے پیشرو جنرل قمر جاوید باجوہ کو ایک اور توسیع دینے کی حمایت کی متعدد پیشکشیں کی تھیں، حالانکہ جنرل باجوہ وہی شخص تھے جن پر عمران خان نے چند ماہ قبل اپنی حکومت گرانے کا الزام لگایا تھا۔

پی ٹی آئی کے چیئرمین کو 2023 میں متعدد بار گرفتار کیا گیا[8] اور حراست میں لیا گیا لیکن 9 مئی 2023 کو جب انہیں پہلی بار گرفتار کیا گیا تو اُس کے بعد ایسے پرتشدد واقعات ہوئے جو پاکستان میں اس سے پہلے کبھی پیش نہیں آئے تھے۔[9] ریاست نے ایکس (سابقہ ٹوئٹر) پر پابندی لگا دی اور انٹرنیٹ کو پہلے غیر اعلانیہ طور پر اور بعد میں باضابطہ طور پر بند کر دیا۔ بڑے پیمانے پر گرفتاریاں کی گئیں، لوگوں کو حراست میں لیا گیا، لوگوں کو اغوا کیا گیا، مقدمات درج کیے گئے اور صحافیوں پر حملے ہوئے۔[10] اگست تک عمران خان جیل کی سلاخوں کے پیچھے تھے۔

کچھ ہی دیر بعد، سپریم کورٹ کے جج، قاضی فائز عیسیٰ نے چیف جسٹس آف پاکستان کے عہدے کا حلف اٹھایا۔ انہیں چند ماہ قبل مالی بدعنوانی کے غیر مصدقہ الزامات پر خان کی

حکومت کی جانب سے ذلت آمیز سلوک کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ 8 فروری 2024 کو ہونے والے عام انتخابات تک اور اس کے بعد بھی پی ٹی آئی پر دباؤ جاری رہا،[11] انتخابات کے فوراً بعد دھاندلی کے الزامات پر بڑے پیمانے پر احتجاج شروع ہوا۔[12] راولپنڈی کے ایک سینئر بیوروکریٹ نے انتخابی نتائج میں ردوبدل سے متعلق دباؤ کے خلاف احتجاجاً استعفیٰ دیا[13] تو مظاہرین میں مزید غصہ بڑھ گیا۔ اسی دن ایکس کو بند کر دیا گیا۔ تاہم حکومت کو ایکس کی بندش کا اعتراف کرنے میں ایک مہینہ لگا۔[14]

ان واقعات کی تعداد اور شدت اتنی زیادہ تھی کہ یوں محسوس ہونے لگا کہ سنسرشپ کوئی محتاط سرگرمی نہیں بلکہ ایک مستقل سماجی حقیقت بن گیا۔[15] ملک میں 22 صحافی ایسے تھے جنہیں یا گولی ماری گئی، قتل کیا گیا، غیر قانونی طور پر حراست میں لیا گیا، تشدد کا نشانہ بنایا گیا، یا حملوں کے باوجود وہ محفوظ رہے (اگرچہ مختلف وجوہ کی بنا پر)۔ ان زیر بحث دو برسوں میں نیوز روم کے علاوہ کام کرنے والے دیگر سرگرم کارکنوں یا گوریلا صفت صحافیوں کو دھمکیاں دی گئیں اور اٹھا لیا گیا۔

اس کے بعد کی قانون کو سخت بنانے کے ساتھ ساتھ ریاست کی طرف سے میڈیا پر ظاہری اور ڈھکے چھپے دباؤ میں زیادہ شدت آئی اور یہ صورتحال انٹرنیٹ فائر وال کی گفتگو کے ساتھ اپنے عروج پر پہنچ گئی۔[16]

اظہار رائے کی آزادی اور سنسر شپ کی تعریفیں

اس رپورٹ کے مقاصد کے لیے 'آزادی اظہار' کی نصابی تعریفیں [17] اس وقت سودمند ہوسکتی ہیں جب ہم انہیں اپنے تجربات کی روشنی کے تناظر میں پڑھیں کہ ہم پاکستان میں کیسے تجربات سے گزرتے ہیں، بیان کرتے ہیں، ردعمل کا اظہار کرتے ہیں اور میڈیا کے اثرات کو محسوس کرتے ہیں۔ اس میڈیا میں ماس میڈیا، (اخبارات، ٹی وی) سوشل میڈیا (ایکس، یوٹیوب) ڈیجیٹل میڈیا (ویب سائیٹ، ایپس) ڈارک سوشل میڈیا (واٹس ایپ) اور نیا میڈیا (آرٹیفیشل انٹیلی جنس) شامل ہیں۔ اظہار رائے کی آزادی اب کسی ایک عوامی دائرہ یا میڈیا کے ایسے منظرنامے تک محدود نہیں' جہاں سب کی رسائی ہو اور جہاں ہر ایک کو بحث مباحثے کے برابر

مضحکہ خیز طور پر، اس کا مطلب یہ ہے کہ پیش بندی کرتے ہوئے یہ حکم دے کر کہ فلاں بات نہیں کہی جا سکتی ریاست خود ہی وہ معاملہ آشکار کر دیتی ہے جسے وہ چھپانا چاہتی ہے۔ اس لحاظ سے سنسر شپ کبھی بھی مکمل طور پر کامیاب نہیں ہوتی۔

مواقع میسر ہوں۔'[18] ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ مخصوص (ڈیجیٹل) دائروں کے اندر سرگرمیوں، اختلافی بیانیوں اور سیٹلائٹس (یعنی ضمنی دائروں) [19] کی تخلیق ہو رہی ہے۔ ابلاغ کے ان نئے طریقوں سے اس بات کی وضاحت کرنے میں مدد ملتی ہے کہ ریاست کیوں بعض مخصوص پلیٹ فارمز یا اسپیسز، میڈیا کی مخصوص اقسام اور میڈیا کے مخصوص صارفین یا پروڈیوسرز کو ہی نشانہ بناتی ہے نہ کہ دیگر اقسام کے میڈیا اور لوگوں کو۔

روایتی طور پر سنسر شپ کو ریاست کی جانب سے کسی خبر کو مٹا دینے کے عمل کے طور پر دیکھا جاتا ہے، تاہم، پاکستان کے معاملے میں، اگر ہم فلسفی جوڈتھ بٹلر کی تعریف [20] کو استعمال کریں، تو سنسر شپ کا مطلب ہے کہ 'پیش بندی کر کے ایسا بیان بنانا جس سے معلوم ہو کہ کونسا بیان قابل قبول یا نا قابل قبول ہوگا۔' مضحکہ خیز طور پر، اس کا مطلب یہ ہے کہ پیش بندی کرتے ہوئے یہ حکم دے کر کہ فلاں بات نہیں کہی جا سکتی ریاست خود ہی وہ معاملہ آشکار کر دیتی ہے جسے وہ چھپانا چاہتی ہے۔ اس لحاظ سے سنسر شپ کبھی بھی مکمل طور پر کامیاب نہیں ہوتی۔ بٹلر کا کہنا ہے کہ جس چیز کو کوئی قوت سنسر کرنا چاہتی ہے وہ اُس چیز سے کبھی بھی مکمل طور پر الگ نہیں ہوتی، سنسر شپ پر اس کا ہی مخالفانہ مواد اس طریقے سے اثر انداز ہوتا ہے کہ وہ متضاد نتائج پیدا کرتا ہے۔ پاکستان میں بنائے گئے میمز ان دبی ہوئی چیزوں کا دلچسپ اظہار ہیں۔

دو سال کی زیر بحث مدت کے دوران ادارتی آزادیوں کو بدلنے کے تین متضاد طریقے سامنے آئے۔

1- اظہار رائے کی آزادی اتنی سکڑ گئی کہ پہلے ایسا کبھی نہیں تھا۔

2- سنسر شپ ویسی ہے جیسی کہ عام طور پر ماضی میں رہی، لیکن اگر پابندی کے شکار شخص کے پاس سوشل میڈیا کی طاقت موجود ہو تو پابندی لگ جانے کا احساس بہت بڑھ جاتا ہے۔ اگر سوشل میڈیا پلیٹ فارم پر ڈیڑھ کروڑ فالوورز والے سیاسی رہنما کو گرفتار کر لیا جائے تو ناانصافی ہونے کا احساس اس سے کہیں زیادہ ہوتا ہے جو ایک چھوٹے سے شہر کے کسی نوجوان کو جبراً غائب کر دینے سے ہوتا ہے۔

3- اظہار رائے کی آزادی قومی سلامتی کے نام پر سخت اقدامات سے مشروط ہے لیکن یہ اقدامات اُن پر لاگو نہیں ہوتے جن کے بارے میں ریاست یہ تصور کر لے کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ 'قانونی اور جائز' ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اس نام نہاد سنسر شپ نے ایک متضاد اثر ڈالا ہے، جتنے زیادہ لوگ محسوس کرتے ہیں کہ کہیں سنسر شپ ہے، اتنی زیادہ ناراضگی پیدا ہوتی ہے اور یہاں تک کہ لوگ ان معلومات تک رسائی کی بھی خواہش کرنے لگتے ہیں جو اُن کی حدود سے باہر سمجھی جاتی ہیں۔

(اس رپورٹ کے زیر مشاہدہ ٹائم فریم کے دوران) آزادی

اظہار کس حد تک دستیاب رہی اس پر میڈیا صنعت کی رائے منقسم ہے۔ یہ رائے اس لیے بٹی ہوئی ہے کہ سنسر شپ مطلق یا سب کیلیے یکساں نہیں۔ اس موضوع پر صحافی عارفہ نور سے بات ہوئی جو انگریزی اخبار ڈان کی ایڈیٹر تھیں اور اب ڈان نیوز پر ٹیلی ویژن چینل کے ٹاک شو کی میزبان ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ یہ سنسر شپ ہر میڈیم کیلیے الگ ہے۔ مختلف افراد کیلیے مختلف ہے۔ ہر ٹائم سلاٹ میں تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ وہ کہتی ہیں' پاکستان میں حکومتوں کے لیے انگریزی زبان (اخبارات/ پرنٹ) کو کچھ آزادی دینا ہمیشہ آسان رہا ہے کیونکہ یہ عمل (حکمرانوں کو) یہ کہنے کی گنجائش دیتا ہے کہ آپ جس سنسر شپ کے بارے میں بات کر رہے ہیں وہ مکمل طور پر عائد نہیں'۔ وہ کہتی ہیں کہ انگریزی میڈیا کے صارفین بہت کم ہیں کیونکہ پاکستانی سامعین زیادہ تر اردو پڑھنے اور سننے والے ہیں۔ تاہم مقامی زبانوں کے میڈیا پر بھی سینسر شپ لاگو ہوتی ہے اور اس کا تعین ان اداروں کی حیثیت اور پہنچ پر ہے۔ کم ریٹنگ والے اردو ٹی وی چینلز میں کسی چینل پر شام 7 بجے کے ٹاک شو کا میزبان سنسر شپ سے نسبتاً محفوظ رہ سکتا ہے کیونکہ اس کے سامعین کی تعداد کم ہوتی ہے۔

عارفہ نور کہتی ہیں، کوئی بھی صحافی کے طور پر اپنے آپ کو سنسر شپ (یا مداخلت) سے اس صورت میں بچا سکتا ہے اگر وہ اہل اقتدار (جنہیں اسٹیبلشمنٹ بھی کہا جاتا ہے) کے ساتھ روابط استوار نہیں کرتا۔ وہ ایسے تعلقات پیشہ ورانہ صحافتی اقدار کے تسلیم شدہ اخلاقی اصولوں سے آگے جا کر قائم کرتا ہے۔ ان کہنا ہے کہ بہت سے غیر تربیت یافتہ یا نیم صحافی، وہ سابق صحافی جو بعد میں انفلوئنسرز بن گئے یا مشہور وی لاگرز جن کو معلومات (یا ترغیبات) کے لیے جب سہولت ہو تو طاقتور ذرائع کو استعمال کرنے میں عار محسوس نہیں کرتے۔ ان لوگوں کو وہ کرنا پڑتا ہے جو ان کے ذرائع کہتے ہیں۔ یہ بھی ہے کہ پاکستان کا سیاسی کلچر ایک میڈیا کلچر ہے۔[21] (جب ہم سیاست کی بات کرتے ہیں تو ہم واٹس ایپ پر فارورڈ کیے گئے ٹی وی کلپس کے بارے میں سوچتے ہیں) یہاں کوئی ایک سیاسی 'مرکز' نہیں ہے بلکہ بہت سے بکھرے ہوئے مراکز ہیں۔ آپ انہیں محسوس کر سکتے ہیں۔ یہ مراکز کچھ کے لیے باعثِ راحت ہیں اور بعض کے لیے خطرہ۔ اس صورتحال سے واضح ہوتا ہے کہ آزادی کے بارے میں مختلف آراء کیوں ہیں کہ مختلف گروہوں اور افراد کو مختلف نوعیت کی آزادی دستیاب ہے۔

میڈیا پر پابندی محض لوگوں کی فیصلہ سازی یا کسی ادارہ کی فیصلہ سازی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ ٹیکنالوجی کی خلل انگیز نوعیت کا نتیجہ بھی ہے۔ جے ڈی بولٹر 'دی ڈیجیٹل پلینی ٹیوڈ' (ڈیجیٹل افراط) میں لکھتے ہیں کہ مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب یہ افراتفری والا میڈیا کلچر ان سماجی اور سیاسی اداروں سے ٹکراتا ہے جنہیں فعال رہنے کیلیے مشترکہ مفروضوں کی ضرورت ہوتی ہے۔[22]

ایک اور بعض چیزیں سنسر شپ کا ہدف اس لیے بھی بنتی ہے کہ وہ ٹی وی، ریڈیو، پرنٹ میڈیا میں تبدیلی کی وجہ سے سامنے آنے لگی ہیں[23] یعنی وہ ڈیجیٹل صورت بھی اختیار کر لیتی ہیں جس کی اپنی ایک حیثیت اور عمر ہے۔ اس مظہر کے لیے 'تلافی' (remediation) کی اصطلاح استعمال کی جا رہی ہے۔ میڈیا کی متنوع صورتوں کے بارے میں اس نئے نظریہ (تلافی) کے آنے بعد اچھا ہوگا کہ ہم اپنے قومی مباحثہ میں سے مرکزی دھارے کا میڈیا (مین اسٹریم) بمقابلہ غیر مرکزی دھارے کا میڈیا (نان مین اسٹریم میڈیا) یعنی ٹی وی بمقابلہ ڈیجیٹل والی گمراہ کُن ثنوی تقسیم ختم کر دیں کیونکہ دونوں طرح کے میڈیا ایک دوسرے میں خلط ملط ہو گئے ہیں۔ تاہم، اس رپورٹ کے لیے جن لوگوں کے انٹرویو کیے گئے وہ مین اسٹریم میڈیا کا حوالہ دیتے تھے تو ان کا مطلب ٹی وی اور پرنٹ (اخبارات ورسائل) ہی ہوتا تھا۔

میڈیا پر پابندی محض لوگوں کی فیصلہ سازی یا کسی ادارہ کی فیصلہ سازی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ ٹیکنالوجی کی خلل انگیز نوعیت کا نتیجہ بھی ہے۔

بندوق کی نوک سے بیلٹ باکس تک

سیاسی قتل کا واقعہ

2022 کے آخر میں اے آر وائی کے صحافی ارشد شریف کے کینیا میں ہونے والے قتل کو گزشتہ دو برسوں میں ایک اہم ترین واقعہ سمجھا جاتا ہے۔[24] انہیں مہینوں سے دھمکیاں دی جاری تھیں اور ان کے خلاف بغاوت کے مقدمات قائم کیے گئے تھے۔اس کی سنگین انتہا ان کے قتل کے غیر واضح اور مشکوک حالات کی صورت میں ہوئی۔[25] میڈیا فوری طور پر ایک خول میں چلا گیا جب کہ ان کی موت پر عوامی غصے نے انہیں (سعودی عرب کے صحافی) خاشقجی جیسی شخصیت بنا دیا۔ایک ایسی علامتی شخصیت جو ریاست کے خلاف بولنے والے لوگوں کے بارے میں ریاست کی بے خوفی اور ظلم کی عکاسی کرتی ہے۔

اس واقعہ کے فوراً بعد اے آر وائی نیوز کا لائسنس منسوخ کر دیا گیا اور اس کی نیوز روم میں اور اس کے باہر کام کرنے والی ٹیمیں خوفزدہ ہوگئیں۔ ارشد شریف کے دوست اور اے آر وائی کے 'آف دی ریکارڈ پروگرام کے' میزبان کاشف عباسی کا کہنا ہے کہ 'ارشد کی لاش کو دیکھ کر یہ آزمائش بہت حقیقی لگنے لگی۔ ایسے میں آپ خود بخود سیلف سنسر موڈ میں چلے جاتے ہیں۔' خدشہ تھا کہ اے آر وائی کے صحافی آدھی رات کو اٹھا لیے جائیں گے۔اے آر وائی ٹیم کے ایک رکن کا کہنا ہے کہ تصور کریں، کبھی کبھی آپ پوری شام کام پر کیمرے میں دیکھتے ہیں، پھر آپ گھر میں اپنے سی سی ٹی وی والے کیمرے میں دیکھتے رہتے ہیں، یہ سب اس گفتگو کی وجہ سے ہوتا ہے کہ جس میں آپ کو تواتر کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ آپ کے ساتھ بھی ہوگا، ایسا ہی ہوگا۔

معاملہ اس وقت اور خراب ہوگیا جب نیوز روم کے کچھ کارکنوں پر انکشاف ہوا کہ دفتر میں اندرونی اور خفیہ طور پر بتائی گئی معلومات اُن کے خلاف استعمال ہونے والی ہیں۔ جب اس مطالعاتی رپورٹ میں شریک ایک شخص (جو اس کا جواب دہندہ ہے) نے آرمی چیف کی توسیع پر ایک انٹرویو ریکارڈ کیا، تو یہ بات مبینہ طور پر اتنی تیزی سے لیک ہوئی کہ جس لمحے وہ اسٹوڈیو سے نکلے، انہیں کہا گیا کہ یہ انٹرویو نشر نہیں ہوگا۔

اے آر وائی کے پروگرام 'سوال یہ ہے' کی میزبان ماریہ میمن کے مطابق، اس صورتحال کے نتیجے کے طور پر ان میں سے بہت سے لوگوں نے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا شروع کر دیں جیسے اپنے فون کو دوسرے کمروں میں چھوڑنا یا نیوز روم میں بات کرتے ہوئے احتیاط کرنا کیونکہ ضروری نہیں تھا کہ ان کے ساتھ بیٹھا ہوا شخص قابل بھروسہ ہو، چاہے وہ طویل عرصے سے ان کا ساتھی کیوں نہ ہوں۔ اس ماحول نے تناؤ بڑھا دیا۔

اس تناظر میں، دوسرے نیوز رومز پر بھی سنسر شپ کے نئے حربے اختیار کیے جا رہے تھے۔ایک نیوز چینل کے سابق

چیف ایگزیکٹیو آفیسر کا کہنا ہے کہ میڈیا کا گلا گھونٹنا پاکستان میں یقیناً کوئی نیا واقعہ نہیں، لیکن گزشتہ تین یا چار برسوں کے دوران جو ننگا، صریح، مطلق اور بے جا جبر آپ دیکھ رہے ہیں، اس کی مثال نہیں ملتی۔

اے آر وائی میں 'خبر' پروگرام کی میزبان مہر بخاری کو اپنے دوست ارشد شریف کی موت کے بعد پرائم ٹائم میں شو کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔ وہ اس بات پر زور دے کر کہتی ہیں کہ یہ مفروضہ کبھی بھی غیر حقیقی نہیں تھا کہ آزادی اظہار مقرر چیز نہیں، بدلتی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحافیوں کو ہر دور حکومت میں معاملہ فہم ہونا پڑا ہے۔ وہ کہتی ہیں 'لیکن میری زندگی میں پہلی بار مجھے لگتا ہے کہ گنجائش سکڑ رہی ہے اور سکڑ رہی ہے اور سکڑ رہی ہے۔'

یہ رجحان زیادہ تر مرکزی دھارے کے میڈیا کیلیے کام کی گنجائش میں توسیع اور سکڑاؤ کی علامت ہے۔ سینسر شپ زیادہ تر پریس کیلیے ایک حقیقت رہی ہے، لیکن یہ ادارتی رجحان کو مدنظر رکھتے ہوئے زیادہ یا کم ہو جاتی ہے۔ یہ حقیقت 2022 اور 2024 کے درمیان بھی کام کر رہی تھی۔ وہ صحافی جو پہلے عمران خان کی حمایتی تھے، تقریباً راتوں رات 'ریاست کے دشمنوں' میں تبدیل ہو گئے، جو لوگ عمران خان کے دور حکومت میں نشانہ بنے تھے اچانک ان کی پرانی آزادیوں کو بحال کر دیا گیا۔ پریس کا ریاست کے ساتھ ایک منظّم اور دائرے میں گھومتا تعلق ہے جس میں ہیرو' ولن بن جاتے ہیں اور وِلن' ہیرو۔ صحافیوں اور سیاست دانوں کیلیے جو چیز پیش گوئی کرنے کو زیادہ مشکل بنا دیتی ہے وہ ہے میڈیا کے بارے میں ریاست کا عارضی اور بے ترتیب روّیہ۔ ریاست ایک دن ڈاکٹر جیکل ہے اور دوسرے دن مسٹر ہائیڈ۔

لیکن میری زندگی میں پہلی بار مجھے لگتا ہے کہ گنجائش سکڑ رہی ہے اور سکڑ رہی ہے اور سکڑ رہی ہے۔'

مہر بخاری

نو مئی کی کوریج

کریک ڈاؤن 9 مئی کے بعد ایک نئی سطح پر پہنچ گیا، لیکن درجہ حرارت اس سے پہلے ہی بڑھ رہا تھا۔ مثال کے طور پر، 2019 میں، ٹیلی ویژن چینلز کو منظور شدہ دفاعی تجزیہ کاروں کی تازہ ترین فہرستیں موصول ہوئی تھیں جنہیں ٹاک شوز میں مدعو کیا جا سکتا تھا۔[26] ایک ٹی وی کے چیف ایگزیکٹیو آفیسر نے 9 مئی کے لیے براہِ راست نشریات (لائیو ٹرانسمشن) کا منصوبہ بنایا تھا، لیکن پھر انہیں ایک شخص کی طرف سے کال موصول ہوئی جس نے خود کو سکیورٹی ایجنسی کا نمائندہ بتایا اور چیف ایگزیکٹو سے کہا کہ وہ اس واقعہ کی کوریج نہ کریں۔[27] اگلے دن صبح 10 بجے، مبینہ طور پر ان سے پوچھا گیا کہ ان کا چینل وہ کیوں نہیں دکھا رہا جو دیگر چینلز دکھا رہے ہیں۔ ''میں کور کمانڈر ہاؤس کیوں دکھاؤں؟'' انہوں نے جواب دیا۔ ''یہ جناح ہاؤس ہے،'' ہر اینکر کو گائیڈڈ ٹور فراہم کیا گیا تھا۔ ایگزیکٹو آفیسر نے کہا: ''کیا آپ ایک فیصلہ کر سکتے ہیں؟'' کل آپ مجھے کہہ رہے تھے کہ فسادات نہ دکھاؤ''۔ ایجنسی کے نمائندے نے جواب دیا ''نہیں، نہیں، اب تم دکھاؤ۔''

ایسے ماحول میں، نیوز رومز اور بھی زیادہ خطرے سے دوچار ہو جاتے ہیں اور ایسی صورتحال میں کسی بھی ممکنہ ردعمل سے بچنے کے لیے سیلف سنسر شپ کا انتخاب کرتے ہیں۔ ایک غیر ملکی میڈیا ادارے کے اسلام آباد میں مقیم رپورٹر کا کہنا ہے کہ لوگ (9 مئی کے فسادات کی کوریج کرنے سے پہلے) اپنے افسران سے اجازت حاصل کرنے یا ہدایات حاصل کرنے کے لیے ایک یا دو گھنٹے تک انتظار کرتے رہے۔' انہوں نے کہا کہ تنصیبات کے باہر احتجاج ہو رہا ہے لیکن فوج کا ذکر نہیں کیا۔ انہوں نے پشاور اور لاہور

'ڈرائی کلین کا ایک طریقہ یہ تھا کہ، ایک' کنٹرول کی گئی' پریس کانفرنس ہوتی تھی جس میں (سابق) پی ٹی آئی کے کارکنان یا رہنما یہ تسلیم کرتے تھے کہ 'ہمارا طریقہ کار غلط تھا۔' دوسرا طریقہ پلانٹڈ انٹرویو تھا جو مختلف چینلز پر کیا جاتا تھا۔ اُس میں صرف وہ باتیں کی جاتی تھیں جنہیں 'ٹھیک' سمجھا جاتا ہو۔

ضرار کھوڑو

کے حملوں کے بعد فوج کا ذکر کرنا شروع کر دیا۔' نو مئی کے ہنگاموں اور گرفتاریوں کے بعد، پی ٹی آئی کے منحرف ارکان جو اچانک لاپتہ ہو گئے تھے، وہ نمودار ہو گئے اور ان کا 'سافٹ ویئر اپ ڈیٹ' ہو گیا تھا۔ ڈان نیوز کے میزبان ضرار کھوڑو کہتے ہیں کہ 'ڈرائی کلین کا ایک طریقہ یہ تھا کہ، ایک 'کنٹرول کی گئی' پریس کانفرنس ہوتی تھی جس میں (سابق) پی ٹی آئی کے کارکنان یا رہنما یہ تسلیم کرتے تھے کہ 'ہمارا طریقہ کار غلط تھا۔' دوسرا طریقہ پلانٹڈ انٹرویو تھا جو مختلف چینلز پر کیا جاتا تھا۔ اُس میں صرف وہ باتیں کی جاتی تھیں جنہیں 'ٹھیک' سمجھا جاتا ہو۔ (پلانٹڈ ایسے انٹرویو کو کہتے ہیں جو کسی ایجنڈے کے تحت میڈیا پر چلوایا گیا ہو۔)

'سافٹ ویئر اپ ڈیٹ':

بلاجواز حراست کے بارے میں میڈیا پرسن کا بیان مصنف کی زبانی

میڈیا ورکرز اور سیاسی امور پر بات کرنے والے سوشل میڈیا انفلوئنسرز اور ان کو سپورٹ فراہم کرنے والوں کو اٹھایا گیا، مختصر مدت کے لیے غائب کر دیا گیا اور پھر رہا کر دیا گیا، ان کے خیالات بدل گئے یا ان کی آوازیں خاموش ہو گئیں۔ یہ ایک ایسا رجحان ہے جسے مزاحیہ طور پر 'سافٹ ویئر اپ ڈیٹ' کہا جاتا ہے۔ افسوسناک طور پر یہ کوئی نئی روایت نہیں، البتہ 9 مئی کے بعد اس میں نمایاں اضافہ دیکھنے میں آیا۔ عمران ریاض اور سمیع ابراہیم جیسی انتہائی جانی پہچانی شخصیات کے علاوہ دیگر متاثرین نے آواز نہیں اٹھائی۔

ذیل میں ایسے ہی ایک شخص کا احوال ہے: پولیس اور سادہ کپڑوں میں ملبوس افراد آدھی رات کو موبائل یونٹس کے ساتھ آئے۔ جب اسے لے جایا گیا تو اسے 'پیک' کیا گیا یعنی اس کے سر پر ایک طرح کا غلاف چڑھا دیا گیا اور ایک گاڑی میں ڈال دیا گیا۔ سامنے والی سیٹ سے ایک پڑھے لکھے افسر جیسی آواز نے پوچھا، 'کیا آپ جانتے ہیں کہ ہم آپ کو کیوں لے جا رہے ہیں؟ کوئی بات نہیں۔ آپ کے پاس اس کے بارے میں سوچنے کے لیے کافی وقت ہے۔'

اسے ایک کمرے میں رکھا گیا اور اسے دو دن تک کھانا دیا گیا اور جب وہ اس سے بات کرنا چاہتے تھے تو اس کے سر پر سے غلاف ہٹا دیتے۔ ''بہت گرمی چڑھ رہی ہے (آپ کالر کے نیچے گرم ہو رہے ہیں، کیا ایسا ہی ہے؟)'' اس کی سوشل میڈیا پوسٹس کا حوالہ دیتے ہوئے اس سے پوچھا گیا، یہ پوسٹس ہی بنیادی مسئلہ تھا۔ اسے اپنے سوشل میڈیا اکاؤنٹ کے پاسورڈز حوالے کرنے پڑے اور کہا گیا کہ وہ انہیں تبدیل نہیں کر سکتا۔ وہ ایک ایسے واٹس ایپ گروپ پر لوگوں کے نام اور رابطے جاننا چاہتے تھے جس کے بارے میں انہیں یقین تھا کہ وہ اس کا رکن ہے۔ ان کا ماننا تھا (اور محبوس شخص انکار کرتا ہے) کہ واٹس ایپ گروپ کا استعمال اسے احکامات دینے اور سیاسی میڈیا کا مواد پھیلانے کی خاطر فنڈ فراہم کرنے کے لیے تھا۔

اس کہا گیا کہ معافی مانگو، اعترافی بیان پر دستخط کرواور ویڈیو بیان ریکارڈ کراؤ۔

اسے کہا گیا کہ مستقبل میں کسی بھی 'ریاست مخالف لوگوں' کے بارے میں اسے کچھ معلوم ہو تو وہ انہیں آگاہ کرے۔ 'لوپ میں رہنا' اسے چھوڑتے ہوئے کہا گیا۔ 'رابطے میں رہنا' میڈیا سے وابستہ اس شخص کی واپسی کے بعد، جس ٹی وی چینل پر وہ کام کرتا تھا، اس نے اسے اپنے اندرونی ادارتی کام والے واٹس ایپ گروپس سے نکال دیا اور اسے ملازمت سے برخواست کر دیا۔ وہ ان لوگوں سے جھوٹ بولتا ہے جو پوچھتے ہیں کہ اس کے ساتھ کیا ہوا، وہ انہیں بتاتا ہے کہ اسے شناخت میں غلطی کی بنیاد پر اٹھا لیا گیا تھا۔ خوفناک بات کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ ریاست کی طرف سے کسی اینکر یا بلاگر کو پکڑنے کے بعد، اس کی واپسی کو اور دوبارہ سے بلاگنگ کے تسلسل کو بہت شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ اُس اینکر یا بلاگر نے آزاد ہونے کے لیے کس قسم کا سمجھوتہ کیا ہے۔

نومئی کے بعد:

ایک ملاقات، کافی کے بغیر

میڈیا کے مالکان اس بات سے واقف ہیں کہ فوجی سربراہ کی طرف سے دربار کی طرز پر بلایا جاتا ہے، لیکن یہ ایک خاص اجلاس تھا۔ جو 9 مئی کے بعد تقریباً تین درجن بڑے خبر رساں اداروں کے ساتھ طلب کیا گیا تھا۔ اس ملاقات کو ادارتی پالیسی کے لیے ایک اہم موڑ کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ اس میں شرکت کرنے والوں کے مطابق ملاقات تین منٹ سے کم وقت تک جاری رہی جس کی کوئی مثال نہیں ملتی کیونکہ روایت کے مطابق اس طرح کی میٹنگز پہلے کبھی بھی اجتماعی نہیں ہوتی تھیں۔[28] ایک شخص جو اس میٹنگ میں موجود تھا، اس نے بتایا کہ وہاں موجود لوگوں کو کہا گیا کہ اس کے بعد عمران خان کا نام مین اسٹریم میڈیا پر نہیں لیا جائے گا اور بس بات ختم۔ یہ بات کہنے والا (اسٹیبلشمنٹ کا نمائندہ) فوراً ہی اُٹھ کر چلا گیا۔ اس نے شکریہ کہنے کی زحمت بھی نہیں کی یا کچھ بھی۔ یہ بھی نہیں کہ چائے کا ایک کپ پئیں۔[29] اس ملاقات کے فوراً بعد نیوز روم کا بعض عملہ جبری رخصت پر چلا گیا یا انہوں نے چھٹیاں لے لیں، دوسروں کو آف ایئر کر دیا گیا، کچھ صحافی سائیڈ لائن پر بیٹھ گئے۔ مجموعی طور پر، نیوز رومز کو ہونے والی کالیں بند ہوگئیں کیونکہ اب کوئی پریشانی نہیں تھی۔ سیٹھ کے ساتھ لائن سیدھی تھی۔

اس رپورٹ کے لیے جن متعدد صحافیوں کے انٹرویو کیے گئے انہوں نے بی گریڈ چینلز کے چہروں کو ایک عجیب و غریب نمبر، 19، کا نام دیتے ہوئے کہا کہ ان چہروں کو بڑے چینلز پر شام کے شوز پر جگہیں ملیں اور ان کے مطالبے کے مطابق ان کی تنخواہوں میں مصنوعی طور پر اضافہ کیا گیا۔ ان میں سے چند منتخب افراد کو خاص طور پر بریفنگ کے لیے مدعو کیا گیا اور موجیں کرنے کے لیے مختلف جگہوں کی سیر پر بھیجا گیا۔ ایک ناراض اینکر نے یہ سب کچھ اپنے چینل پر یہ سب کچھ ہوتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ تیسرے درجے کے چینل سے کسی کو ٹاپ ٹین میں سے کسی ایک چینل کی نیوز اسکرین پر لاتے ہیں، تو یہ بہت بڑی چھلانگ ہے۔ یہ عمل بھی کچھ لوگوں کے پھلنے پھولنے اور کچھ کے تنزل میں جانے کے رجحان کا ایک اور مظہر تھا۔ کچھ لوگوں کو کام کرنے کے لیے دوسروں سے زیادہ جگہ مل گئی۔

ایک اور حکمت عملی یہ تھی کہ ٹی وی پر عمران خان کا چہرہ دکھانے پر پابندی لگائی جائے، یہ ایک ایسا حربہ ہے جو کبھی دیگر سیاستدانوں الطاف حسین اور نواز شریف پر بھی لاگو کیا گیا تھا۔ نتیجے کے طور پر، ایک چینل پر، پاکستان الیکٹرانک میڈیا ریگولیٹری اتھارٹی (پیمرا) کی فون کال کے بعد ہنگامہ برپا ہو گیا کہ عمران خان کو نہ دکھانے کی ہدایات کے باوجود اسکرین پر کیوں دکھا دیا گیا۔ پتہ چلا کہ حقیقت میں کسی نے بھی عمران خان کی تصویر نہیں چلائی تھی: یہ پرومو میں شامل ایک پرانی تصویر تھی۔ اس کے بعد، خان کی تصاویر، بی رول اور ویڈیوز کو تمام نیوز رومز کے سسٹم سے ہٹا دیا گیا جہاں سے فائلیں آن ایئر جاتی تھیں۔ صحافی اسد طور[30] کی نمائندگی کرنے والی وکیل ایمان مزاری اور ہادی چٹھہ کہتے ہیں کہ ریاست کو اب سمجھ ہے کہ وہ کب نادانستہ طور پر اختلاف رائے کو خود ہی پھیلا رہی ہے۔ اسد طور کے خلاف ایک وی لاگ پر فوجداری مقدمہ بنایا گیا، چٹھہ کا کہنا ہے کہ طور کی قید کے عرصہ اور سماعتوں کے دوران اُن کے بلاگ پر ہر جگہ بات کی جا رہی تھی، اور اگر اسے پہلے

دس لاکھ ویوز ملتے تھے، تو اب یہ پچاس لاکھ ویوز تک چلا گیا۔ ہر کوئی اس بلاگ کو دیکھنا چاہتا تھا کہ اس نے کیا کہا، یہاں تک کہ وہ لوگ جو اسد سے نفرت کرتے تھے، ان لوگوں نے بھی اسے ایک جنرل کا نام لیتے ہوئے دیکھا اور سنا۔ پی ٹی آئی کے خلاف پابندیوں کے اثرات نیوز روم سے بھی آگے بڑھ گئے۔ صحافی عنبر رحیم شمسی کہتی ہیں کہ 'ایسے بہت کم سیاستدان ہیں جو اب شوز میں آنے کو تیار ہیں کیونکہ وہ کھل کر بات نہیں کرنا چاہتے۔ ان کے پاس کہنے کو کچھ نہیں ہے، وہ اپنا دفاع نہیں کر سکتے، ٹاک شوز جاری ہیں، لیکن یہ بامعنی نہیں ہیں۔ ہر ایک ٹاک شو میں وہی تین لوگ ہیں، جو مباحثہ کے معیار میں کچھ اضافہ نہیں کر رہے۔'

عام انتخابات

تاہم 8 فروری 2024 کو بالکل واضح سنسرشپ نافذ ہوئی۔ ایک ٹی وی چینل کے سینئر ترین ایگزیکٹو نے انتخابی نتائج آنے کے پہلے پانچ گھنٹے دیکھے اور رپورٹ کیے۔ وہ یاد کرتے ہیں کہ ''شام آٹھ بج کر انتالیس منٹ پر مجھے اپنی پہلی فون کال موصول ہوئی (کسی سکیورٹی ایجنسی کی نمائندگی کرنے کا دعویٰ کرنے والے شخص کی جانب سے) اور کہا گیا کہ انتخابی نتائج 'صحیح تاثر' نہیں دے رہے۔ پی ٹی آئی کی جگہ آزاد امیدوار کہنا ہوگا۔ (کچھ چینلز نے اس ہدایت پر اس چالاکی کے ساتھ عمل کیا کہ آزاد کے الفاظ لکھ کر اُن کے ساتھ نشان میں پی ٹی آئی کا جھنڈا دکھاتے رہے)۔ بیس منٹ بعد انتخابی نتائج کی ڈیجیٹل عکاسی کو ہٹانا پڑا۔ حالانکہ اُسے تیار کرنے میں دو سال لگے تھے۔ آدھے گھنٹے بعد، مجھے ٹی وی کو نتائج کو روک دینے کے لیے کہا گیا۔ کال کرنے والے نے یہ بات ایک بہت تلخ انداز میں کہی، جس سے میں خوفزدہ ہو کر کانپ اٹھا۔' ان کا کہنا تھا 'مجھے اپنی گاڑی چلانا پسند ہے، مجھے ویگو کی سواری نہیں چاہیے۔'' ریاستی اداروں کی طرف سے غیر قانونی اغوا کیلیے 'ویگو کی سواری' کا اشارہ استعمال کیا جاتا ہے۔

الیکشن کمیشن نے کہا ہے کہ نئی حلقہ بندیوں کی حتمی فہرست 30 نومبر تک تیار ہو کر شائع کر دی جائے گی۔ [فائل: عارف علی/اے ایف پی]

سنسر شپ 2.0

میڈیا میں وہ لوگ بھی ہیں جو کسی ایک انتہا کی بجائے میانہ روی اختیار کیے ہیں۔ اُن کا خیال ہے آج کی سنسر شپ اور اس کے نتیجے میں اظہار رائے کی آزادی کا ختم ہو جانا تاریخی طور پر درپیش صورتحال کا محض ایک تسلسل ہے۔ اس سلسلہ میں وہ مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ماضی میں بھی ٹاک شو کے مہمانوں کا چناو کنٹرول کیا جاتا رہا اور پشتون تحفظ موومنٹ پر پابندی لگی رہی۔ ان کے مطابق پی ٹی ایم کے سابق قائد محسن داوڑ کو شاذ و نادر ہی کسی ٹاک شو میں مدعو کیا گیا، پی ٹی ایم کے رہنما علی وزیر اور منظور پشتین کو کبھی بھی مدعو نہیں کیا گیا۔

کچھ مخصوص الفاظ ابھی بھی حساس سمجھے جاتے ہیں۔ وکیل ایمان مزاری حاظر، جنہوں نے صحافیوں اور جبری گمشدگیوں کے متاثرین کی وکالت کی ہے، ان کا دعویٰ ہے کہ پی ٹی آئی حکومت میں نشریات شروع ہونے سے پہلے انہیں کہا گیا کہ کسی ریاستی ادارے کا نام نہ لینا۔ ان کے بقول ان دنوں بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ 'سنسر شپ زیادہ دکھائی دیتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میڈیا کی طرف سے فرماں برداری کی سطح بھی بڑھ گئی ہے۔ سول سوسائٹی کی طرف سے مزاحمت میں کمی آئی ہے۔' حتیٰ کہ نوائے وقت گروپ کی مینجنگ ڈائریکٹر رمیزہ نظامی بھی یہی کہتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ پچھلی حکومتیں بھی سزا کے طور پر اشتہارات روکتی تھیں۔ وہ کہتی ہیں کہ 'یہ سب پہلے بھی ہو چکا ہے، لیکن یہ بالکل متضاد سمت میں تھا۔' فرق یہ ہے کہ کسی پوائنٹ پر جا کر اس نے بالآخر رُکنا ہے۔

زیادہ سنسر شپ لیکن اظہار رائے کے نئے گوشے

میڈیا کے وہ لوگ جو ایک خاص سوچ کی انتہا پر ہیں، وہ یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ پچھلے دو سال میں بہت زیادہ سنسر شپ ہوئی ہے لیکن اُن کا کہنا ہے کہ اب اظہار کی ایسی اقسام بھی موجود ہیں جو پہلے نہیں تھیں۔ 'دی پاکستان ایکسپیریئنس' نامی پوڈ کاسٹ کے میزبان شہزاد غیاث کہتے ہیں کہ 'یہاں جبر ہے، فاشزم ہے لیکن ایک آزادی بھی ہے جو سوشل میڈیا کے ساتھ آئی ہے۔ انہیں وہ وقت یاد نہیں جب کوئی سینئر فوجی حکام کے نام کھل کر لے سکتا تھا۔ (گرفتاریوں اور تشدد) کی شدت آپ کو یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ یہ بدترین قسم کی سنسر شپ اور جبر ہے لیکن اگر ہم ایک قدم پیچھے ہٹ جائیں تو خود کو زیادہ آزاد محسوس کرتے ہیں۔ اب آپ آن لائن ایسی باتیں گرفت میں آئے بغیر کہہ سکتے ہیں جو پاکستان کی تاریخ میں پہلے کبھی نہیں کہی جا سکتی تھیں۔'

تاہم آزادی کا تعین اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ کوئی کتنا معروف یا با اثر ہے، اور اُس کا موضوع کیا ہے۔ اسد طور کے فالوورز غیاث کے مقابلے میں بہت کم ہیں لیکن ان جیسا صحافی جو تحقیقاتی رپورٹنگ کرتا ہے اور خصوصی طور پر اسٹیبلشمنٹ پر توجہ مرکوز رکھتا ہے اس کے اٹھائے جانے کا زیادہ

خطرہ ہوتا ہے۔ خطرات سے دوچار ان جیسے افراد کے لیے حفاظتی جال آن لائن پیدا ہونے والا عوامی دباؤ ہے۔

سائبر اسپیس کس طرح اظہار رائے کی آزادی کا تحفظ کرتی ہے اس کی ایک انتہائی مثال یہ حقیقت ہے کہ سائبر اسپیس نے جبری گمشدگی پر آن لائن شور مچا کر اسے روکنے کی طاقت کا مظاہرہ کیا۔ انسانی حقوق کے کارکن خوشحال خٹک کہتے ہیں کہ 'گزشتہ چند برسوں میں (ریاستی ایجنسیوں) کے لیے خیبر پختونخوا، فاٹا سے لوگوں کو جبری طور پر گمشدہ کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ اب سرچ آپریشنز کے دوران جو بھی ہوتا ہے، کوئی شخص مارا جاتا ہے یا گرفتار ہوتا ہے، فیس بک یا ٹوئٹر پر ہمیشہ کچھ نہ کچھ آ جاتا ہے۔'

میڈیا میٹرز فار ڈیموکریسی (جمہوریت کے لیے میڈیا ناگزیر ہے) نامی غیر سرکاری تنظیم کے اسد بیگ کا کہنا ہے کہ شاید کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اظہار کی زیادہ آزادی موجود ہے۔ تاہم اظہار رائے پہلے سے زیادہ ہے کیونکہ زیادہ گوشے (اسپیسز) دستیاب ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یقیناً، قوانین اور عمومی ضابطے بھی پہلے سے زیادہ ہو گئے ہیں' خوف بھی زیادہ ہے اور یہ چیزیں لوگوں کو بات کرنے سے روکتی ہیں۔ اسد بیگ کہتے ہیں کہ 'میرے خیال میں سوشل میڈیا پر تمام پابندیوں کے لیے فوج کو مورد الزام ٹھہرانا درست نہیں۔ یہ بیانیہ اختیار کرنا تقریباً ایک رواج بن گیا ہے۔ مثال کے طور پر، 2016 میں، جب پی ای سی اے (پاکستان الیکٹرانک کرائمز ایکٹ 2016) لایا گیا تو ہر طرف یہ کہا جا رہا تھا کہ اس کے پیچھے "اسٹیبلشمنٹ" کا ہاتھ ہے، حالانکہ کوئی بھی شخص دیکھ سکتا تھا کہ پی ٹی آئی کے 2014 کے دھرنے کے دوران اس کی ڈیجیٹل مہم کے جواب میں یہ قانون مسلم لیگ نواز کا ردعمل تھا۔

اسد بیگ کا خیال ہے کہ سال 2018 سے 2021 تک زیادہ تر تجویز کردہ قوانین جو پیمرا، پاکستان میڈیا ڈویلپمنٹ اتھارٹی اور پیکا آرڈیننس سے متعلق تھے، وہ قوانین مرکزی طور پر میڈیا کو ریگولیٹ کرنے کیلیے پی ٹی آئی کے عزائم کی پیداوار تھے۔ بیگ کا کہنا ہے کہ حال ہی میں پنجاب میں سامنے آنے والے ہتک عزت کے قانون کے بارے میں مسلم لیگ (ن) کے لوگوں نے کچھ عرصہ قبل اشارے دیے تھے۔

اس معاملہ میں ایک اور اہم نکتہ ہے۔ صحافی عارفہ نور کی رائے میں میڈیا پر ریاست کا کنٹرول پچھلے چار یا پانچ برسوں میں مکمل ہو گیا ہے لیکن سوشل میڈیا کی جانب سے مزاحمت اس بات کی علامت ہے کہ یہ آخری آزاد محاذ ابھی تک بے لگام ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ہمیں مزید کریک ڈاؤن نظر آتا ہے۔ یہ وہ گوشہ ہے جہاں ابھی مزاحمت موجود ہے۔

میڈیا کی آزادی کو اکثر الگ تھلگ کر کے دیکھا جاتا ہے۔ تاہم، ڈیجیٹل صحافی مطیع اللہ جان اس بات کی یاد دہانی کراتے ہیں کہ جب تک سیاست دانوں اور عوام کو بات کرنے کی آزادی حاصل نہیں ہوتی اس وقت تک آزادئ صحافت کی بات ایک دھوکہ ہے۔ مطیع اللہ جان کو اس کا ذاتی تجربہ ہے، کیونکہ انہیں 2018 میں عمران خان کے دور میں آف ایئر کیا گیا تھا۔[31] ایک اور مثال اے آر وائی نیوز کی ماریہ میمن نے دیتے ہوئے کہا کہ عمران خان نے حمود الرحمان کمیشن رپورٹ کا تذکرہ کیا 'اگر وہ تذکرہ نہ کرتے تو لوگ اُس رپورٹ کو نہ پڑھتے۔

مزاحمت کے لیے سیاسی حمایت بہت ضروری ہے، لیکن وکیل ایمان مزاری حاضر کا کہنا ہے کہ حالیہ برسوں میں یہ سیاسی حمایت تحلیل ہو چکی ہے۔ ایمان مزاری نے کہا کہ 'اسد طور کے کیس میں ہمیں صحافیوں کی طرف سے جواب ملا کہ مسلم لیگ (ن) والے ان کی فون کال تک نہیں سن رہے، وہ اسد طور کا نام بھی سننے کو تیار نہیں۔ پیپلز پارٹی والے کہہ رہے ہیں کہ ان کے اختیار میں کچھ نہیں۔ لہٰذا یہ گنجائش ختم ہو گئی ہے۔' آزادی اظہار کی گنجائش صرف ریاست کی طرف سے اپنائے گئے میکانزم کی وجہ سے نہیں سکڑتی۔ یہ اس وقت محدود ہوتی ہے جب ریاست اور سیاسی قوتوں کے درمیان ملی بھگت ہو جائے اور عوامی حلقہ (پبلک اسپیس) کو بالکل مغلوب کر لیا جائے۔

عمران خان کے عروج کے زمانے میں پی ٹی آئی کی سوشل میڈیا مشین نے ان صحافیوں کو نشانہ بنانے میں

> سوشل میڈیا کی جانب سے مزاحمت اس بات کی علامت ہے کہ یہ آخری آزاد محاذ ابھی تک بے لگام ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ہمیں مزید کریک ڈاؤن نظر آتا ہے۔ یہ وہ گوشہ ہے جہاں ابھی مزاحمت موجود ہے۔
>
> عارفہ نور

مہارت حاصل کی جنہوں نے پارٹی کی مخالفت کی یا ریاست پر تنقید کی، ان پر 'لفافہ' کا لیبل لگایا گیا (جس کا مطلب ہے کہ وہ صحافی مالی طور پر کوئی سمجھوتہ کیے ہوئے ہیں یا کیش کے لفافے وصول کرتے ہیں)۔ بی بی سی اردو کے نیوز ایڈیٹر ذیشان حیدر سمجھتے ہیں کہ پی ٹی آئی کے سوشل میڈیا کارکن کسی بھی مخالفانہ آواز کو دفن کر دیتے تھے۔ تکلیف دہ طور پر اسکا اظہار اس وقت ہوا جب پی ٹی آئی حکومت کے دور میں قابل احترام صحافیوں جیسے کہ مطیع اللہ جان، شاہ زیب جیلانی اور بلال فاروقی پر مشکلات آئیں تو بحث کو ان کے اوپر ہونے والے جبر پر مرکوز رکھنے کی بجائے الٹا مظلوم کو ہی تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ یہ ستم ظریفی ہے کہ وہی سوشل میڈیا کارکنوں کی طاقت، جو طاقتور حلقوں کے نشانے پر تھے، اچانک آزادی اظہار کے علمبردار بن گئی ہے۔

ذیشان حیدر کہتے ہیں کہ عمران ریاض خان اس کی ایک مثال ہیں۔ وہ پی ٹی آئی حکومت کے ایک پرجوش حامی تھے۔ انہوں نے ایک وقت میں اغوا شدہ صحافیوں کو حراست کے دوران مبینہ طور پر جنسی زیادتی کا نشانہ بنانے کے الزام کا ظالمانہ مذاق اڑایا تھا۔[32] ذیشان حیدر کا کہنا ہے کہ 'اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عمران ریاض خان[33] کے ساتھ جو ہوا وہ غلط نہیں ہے، بلکہ وہ غلط ہی ہے، لیکن ہمیں یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ جو لوگ انہیں ہر طرح سے سپورٹ کر رہے تھے (گیارہ لاکھ ٹوئٹر فالوورز، 5.2 ملین یوٹیوب سبسکرائبرز، تقریباً 3 ملین فیس بک فالورز) ان کی تعداد زیادہ تھی بہ نسبت مطیع اللہ جان (3 لاکھ 75 ہزار یوٹیوب پر سبسکرائبرز) اور شاہ زیب جیلانی یا اسد طور (2 لاکھ 84 ہزار سبسکرائبرز) کے۔ اس زیادہ افراد کی حمایت سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ اب پہلے سے زیادہ ظلم و جبر ہو رہا ہے۔' ستم ظریفی ہے کہ پی ٹی آئی سوشل میڈیا ٹیم کی طاقت کا زبردست اثر ہے کہ اب پاکستان میں اظہار رائے کی آزادی پر اور زیادہ توجہ مرکوز ہو گئی ہے۔

سادہ الفاظ میں کہہ سکتے ہیں کہ روشنی اب زیادہ جگمگا رہی ہے لیکن نو مئی یا تحریک عدم اعتماد سے بہت پہلے بھی روشنی تھی۔ اسے مکمل طور پر ایک بے مثال پیش رفت تصور کرنا پاکستانی پریس کی تاریخ میں کوتاہ بینی پر مبنی تحریف کے مترادف ہے۔

سنسر شپ کا تفصیلی جائزہ:

قوانین اور ان کے خلاف درخواستیں

ہم اس رپورٹ میں پچھلے دو برسوں میں ہونے والی قانونی تبدیلیوں کی واضح تفصیل بیان نہیں کر رہے کیونکہ انہیں اور مقامات پر متعدد ماہرین، شہری حقوق کے کارکنوں اور صحافیوں نے مناسب طریقے سے بیان کر دیا ہے۔ تاہم، یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ان قوانین کو کس طرح استعمال (یا غلط استعمال) کیا گیا۔ ایک بار پھر ہمیں سیاق و سباق سے بات سمجھنے میں مدد ملے گی۔ پیکا کا قانون پہلی بار 2016 میں مسلم لیگ (ن) کی حکومت کے دوران بنایا گیا تھا اور پی ٹی آئی کے دور میں اس میں ترمیم کی گئی تھی تاکہ یہ ان لوگوں کے خلاف اور بھی سخت ہو، جنہیں ریاست مخالف روّیے کا حامل سمجھا جاتا ہے۔ عمران خان کی حکومت ختم ہونے کے بعد، مسلم لیگ (ن) نے قلا بازی کھائی اور جس قانون پر ماضی میں یہ پارٹی تنقید کیا کرتی تھی اب اس کی حکومت اُسی قانون کی محافظ بن گئی بلکہ زیادہ جوش و خروش کے ساتھ۔

سال 2022 سے 2024 کے درمیان پانچ بڑے قوانین میں ترمیم کی گئی اور دو

اتھارٹیز بنائی گئیں جنہیں اختلاف رائے کو دبانے کرنے کے لیے استعمال کیا گیا۔ ان خبروں کی کوریج کرنے کی کوشش کرنے والے رپورٹرز کا راستہ روکا گیا۔ انٹرنیٹ رپورٹر رمشا جہانگیر کہتی ہیں: 'پیکا پر کام کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ ہر سال پیکا ایک نئی شکل اختیار کر لیتا ہے۔'

پیکا میں ترامیم کے ذریعے الیکٹرانک جرائم سے متعلق قوانین میں تبدیلیوں کی ایک لہر سامنے آئی۔[34] ایک نیا پرسنل پروٹیکشن کا بل[35] لایا گیا، غلط معلومات کی ابہام زدہ تعریفوں کو شامل کرنے کیلیے پیمرا ایکٹ میں اضافے کیے گئے۔[36] آفیشل سیکرٹ ایکٹ[37] اور پاکستان آرمی ایکٹ میں تبدیلیاں کی گئیں، یہ سب کچھ جولائی 2023 میں اقتدار نگران سیٹ اپ کے حوالے کرنے سے پہلے پہلے عجلت میں پاکستان ڈیموکریٹک موومنٹ (پی ڈی ایم) کی حکومت کی جانب سے مکمل کیا گیا۔ فروری 2024 کے انتخابات اور پی ڈی ایم الائنس کی جانب سے اقتدار سنبھالنے کے بعد کام دوبارہ شروع ہوا جس کے نتیجے میں نئے اور زیادہ سخت گیر احکامات اور جابرانہ ڈھانچہ سامنے آیا۔ تاہم یہ باتیں اس مطالعہ کے دائرہ کار اور زیر بحث عرصہ میں شامل نہیں۔

سول سوسائٹی کی جانب سے مزاحمت ہوئی۔ ڈیجیٹل رائٹس آرگنائزیشن 'بولو بھی' کی فریحہ عزیز نے فروری 2024 میں سپریم کورٹ کے روبرو ایک درخواست دائر کی جس میں پیکا 2016 کے تحت 2017 سے قانون کے غلط استعمال کا پیٹرن پیش کیا، اس بات سے قطع نظر کہ کس پارٹی کی حکومت تھی۔ ان کا استدلال ہے کہ حالیہ واقعات اِس لیے زیادہ اُجاگر کیے جاتے ہیں کہ وہ پی ٹی آئی سے متعلق ہیں، جس کی عوام میں زیادہ آگہی ہے اور پی ٹی آئی یہ بھی جانتی ہے کہ سوشل میڈیا پر اپنے پیغام کو کس طرح پھیلانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان ترامیم میں سوشل میڈیا پر توجہ مرکوز کی گئی۔ فریحہ عزیز کا کہنا ہے کہ یہ نام نہاد متبادل پلیٹ فارم اب آزاد نہیں رہا کیونکہ اسے سخت گیر ہاتھوں والے قانونی ٹولز اور ٹرولنگ کرنے والے جتھوں میں خفیہ سرمایہ کاری کے ذریعے جکڑا جا رہا ہے جسے ''ففتھ جنریشن وارفیئر'' (پانچویں نسل کی جنگ) کہا جاتا ہے، یہ جنگ آپ کی آواز کو غرق کر دیتی ہے یا پھر آپ کو دیگر طریقوں سے خاموش کرا دیتی ہے۔

پیکا کے بعد، پاکستان میں دیکھا گیا کہ تمام مقدمات کے لیے الیکٹرانک شواہد اکٹھے کیے جا رہے ہیں (لیکن قانونی طریقہ کار کی خلاف ورزی کی گئی جس کے تحت وارنٹ کی ضرورت ہوتی ہے)۔ مختلف خصوصی قوانین اور ضوابط (پروسیجرل کوڈ) میں سوشل میڈیا سے متعلق مختلف ترامیم متعارف کرائی گئیں۔ فریحہ عزیز کہتی ہیں کہ 'سزا مقدمہ میں اثبات جرم سے نہیں ملتی بلکہ اس عمل اور پراسیس سے ملتی ہے جس سے گزرنا پڑتا ہے۔ اسے محض پراسیس کا حصہ قرار دے کر اس سزا سے توجہ ہٹانا آسان ہے۔ عدالت کی کاز لسٹ پر سماعتیں مقرر نہیں ہوتیں، مقدمات مہینوں تک لٹکتے رہتے ہیں، تفتیشی افسران 'بیمار' پڑ جاتے ہیں، جرائم کے ملزمان عدالتوں کے چکر لگاتے رہتے ہیں کیونکہ ایف آئی آرز اور معلومات کو روک لیا جاتا ہے، جس سے یہ طے کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ انہیں قبل از گرفتاری ضمانت کے لیے کہاں درخواست کرنی چاہیے۔ ایف آئی اے کے معاملے میں لوگوں کو متعدد بار بلایا جا سکتا ہے اور ایف آئی آر درج کرنے سے پہلے کسی مبینہ جرم پر گھنٹوں انتظار کرایا جا سکتا ہے یا گھنٹوں پوچھ گچھ کی جا سکتی ہے۔[38]

پیکا میں رکھی گئی نام نہاد حفاظتی ضمانتیں عملی طور پر بے کار ثابت ہوئیں۔ مزید برآں، جتنے زیادہ الفاظ اس قانون میں شامل کیے جاتے ہیں یا اِس قانون کی زبان کو جتنا نرم بنایا جاتا ہے اتنا ہی اس کی غیر قانونی یا غیر آئینی ہونے کو چیلنج کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

وی لاگرز:
ایک آدمی پر مشتمل نیوز روم

ہمیں ایسی صورتحال درپیش ہے جو 10 معلوماتی جنگوں کے برابر ہے۔۔ فصیح ذکا، کالم نگار

بلاگرز کی گونزو (غیر منطقی) صحافت کچھ کے لیے تلخ تو بعض کے لیے بقا کا باعث ہے۔ اس صحافت پر صحافیوں اور سامعین کی طرف سے یکساں طور پر شدید ردعمل سامنے آتا ہے۔ یہ وی لاگز کسی ایڈیٹر کے پوشیدہ ہاتھ سے فلٹر ہوئے بغیر، اصلاح کے بغیر اور کسی جانچ پڑتال کے بغیر چلتے ہیں۔ ٹیلی ویژن صحافت کی ساکھ کے بحران کی وجہ سے مارکٹ میں ان وی لاگرز کی مانگ پیدا ہوئی کیونکہ مرکزی دھارے کے میڈیا کے بارے میں ایک واضح مایوسی پائی جاتی ہے کہ اس نے اسٹینڈ نہیں لیا' موقف پر کھڑا نہیں رہا۔

بہت سے لوگ جو ٹی وی پر نظر آتے ہیں، اب ان کے اپنے یوٹیوب چینلز ہیں ۔ وہ مختلف ادارتی موقف اپنا لیتے ہیں جن کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ یہ دن کے وقت کا کام (وی لاگ) ہے یا رات کی ملازمت (ٹیلی ویژن شو)۔ طیش اور پولرائزڈ گالم گلوچ کی منڈی میں مانگ کی آمیزش سے وی لاگ کی لفاظی کو تشکیل دیا جاتا ہے۔ اس لفاظی کو امریکا میں سیاست میں دلچسپی لینے والے پاکستانی سامعین گود و گود لیتے ہیں۔ مواد تخلیق کرنے والے یہ وی لاگرز اپنے سامعین کے مزاج کے مطابق کام کرتے ہیں کیونکہ امریکی ویوز کی آمدن پاکستانی کلکس کے مقابلے میں زیادہ ہے۔

بعض اینکرز' وی لاگرز اتنے کامیاب ہو گئے ہیں کہ اب وہ اپنے آجر ٹی وی چینلز پر اپنی شرائط ملازمت خود طے کر رہے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ آجر انہیں سرفہرست مقام پر رکھتے ہیں ۔ ایک چینل نے مبینہ طور پر ایک اینکر سے کہا کہ وہ یوٹیوب پر بلاگ کرنا بند کر دے کیونکہ یہ مفادات کا ٹکراؤ تھا کہ وہ خصوصی باتیں' خبریں (ایکسکلوسو) اپنے یوٹیوب چینل کے لیے مخصوص رکھتا تھا۔ یہ گفتگو اسی وقت ختم ہوگئی جب اس اینکر نے آجر کو اپنے یوٹیوب کی ماہانہ آمدن کا اسکرین شاٹ بھیجا ۔(گویا اس کی یوٹیوب آمدن اتنی زیادہ تھی جسے چھوڑا نہیں جاسکتا تھا۔)

ڈیجیٹل صحافی مطیع اللہ جان کا کہنا ہے کہ پی ٹی آئی کی طرف سے بہت زیادہ سماجی اور معاشی سرمایہ کاری ایسے ہی صحافیوں اور ڈیجیٹل انفلوئنسرز، اور خاص طور پر بیرون ملک مقیم حامیوں پر کی گئی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ سرمایہ کاری اتنی زیادہ تھی اور اس کا مالی فائدہ اتنا بے

پی ٹی آئی کی طرف سے بہت زیادہ سماجی اور معاشی سرمایہ کاری ایسے ہی صحافیوں اور ڈیجیٹل انفلوئنسرز، اور خاص طور پر بیرون ملک مقیم حامیوں پر کی گئی ہے۔

مطیع اللہ جان

مثال تھا کہ وہ اس سب کو اچانک کھو دینے کے متحمل نہیں تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ بیرون ملک سے ملنے والی حمایت سے اچانک منہ موڑ لیں۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ پاکستانی یوٹیوب چینلز کے ناظرین کی اکثریت بیرون ملک مقیم ہے، جہاں پی ٹی آئی بہت مقبول ہے [39] گوگل مونیٹائزیشن کی پالیسیاں پاکستان کی نسبت برطانیہ یا امریکہ جیسے ممالک میں مقیم لوگوں کے ویوز کو کہیں زیادہ اہمیت دیتی ہیں۔

ایک یوٹیوب چینل تارکین وطن سامعین کو راغب کر کے دس گنا زیادہ کما سکتا ہے۔[40] آسان الفاظ میں، ایک بلاگر پی ٹی آئی کے بارے میں جتنی زیادہ بات کرتا ہے، اتنا ہی زیادہ پیسہ کمانے کا امکان ہوتا ہے۔

ماریہ میمن کہتی ہیں کہ عمران خان نے بہرحال ذہانت سے اپنے لیے ایک معیشت تیار کی ہے۔ جب وہ (ماریہ) عمران خان کے بارے میں بات کرتی ہیں تو ان کے ویوز میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ فیڈ بیک ان کی مقبولیت میں اضافہ کرتا ہے۔ مسلم لیگ (ن) کی حمایت میں کیے گئے شو میں سے ساؤنڈ بائٹس نکال کر کبھی استعمال نہیں کیا گیا۔ وہ کہتی ہیں کہ 'پی ٹی آئی میرے 50 منٹ کے پروگرام سے عمران خان کے حق میں تقریباً 30 سیکنڈ نکال لیتی ہے اور اسے دیوانہ وار پھیلا دیتی ہے۔' عمران خان کے حامی بلاگرز نے تحریکِ عدم اعتماد کے دوران لاکھوں، کروڑوں روپے کمائے۔ ان کا موضوع صرف ایک تھا: عمران خان۔

لیکن جب 9 مئی کے بعد ریاست نے ڈنڈا چلایا تو مالی مراعات کی کشش کم ہوگئی۔ اپنے سوشل میڈیا اکاؤنٹس پر سیاست پر تبصرہ کرنے والے بااثر چہروں کو اندازہ ہوگیا کہ ان کی رائے اور تجزیے کے لیے اب برداشت کم ہوگئی ہے۔ ان چہروں میں سے ایک بول نیوز کے سمیع ابراہیم ہیں۔ ان کو ایف آئی اے کی انکوائری اور ہتکِ عزت کے مقدمہ کا سامنا کرنا پڑا۔ معید پیرزادہ اور اے آر وائی نیوز کے صابر شاکر پر ریاستی اداروں پر تنقید کرنے پر غداری کے مقدمات درج کیے گئے۔ عمران ریاض خان کو گرفتار کر لیا گیا، اے آر وائی کے ایک نیوز ڈائریکٹر کے وارنٹ جاری کیے گئے، بول کے شاہد اسلم کو گرفتار کر لیا گیا، بلاگرز عادل راجہ اور حیدر مہدی کو بغاوت پر اکسانے کے الزام میں سزا سنا دی گئی۔ اس سے قبل مارچ 2023 میں، صدیق جان کو فیڈرل جوڈیشل کمپلیکس کے باہر تشدد اور ہنگامہ آرائی کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا جہاں عمران خان ایک عدالتی سماعت میں شریک ہونے کے لیے گئے تھے۔

آزاد تجزیہ کار فصیح ذکا کا کہنا ہے کہ مسئلہ یہ ہے کہ بلاگرز کی طرف سے تقریر کی آزادی کو یہ تصور کیا گیا 'یہ انتہا درجے کی آزادی ہے، ذمہ داری سے آزادی ہے، حقائق سے آزادی ہے، اور اس بات کو تسلیم کرنے سے بھی آزادی حاصل ہے کہ آیا وہ غیر ذمہ دارانہ طور پر لوگوں کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔' وہ اس بات سے متفق

ہیں کہ جن لوگوں کے خلاف اب مقدمات چلائے جا رہے ہیں، انہیں ان کے اسٹیبلشمنٹ کے خلاف موقف کی وجہ سے نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ تاہم وہ کہتے ہیں کہ 'اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لوگ جن کے خلاف مقدمات چلائے جا رہے ہیں، ان کے کام میں کوئی میرٹ تھا یا وہ ذمہ داری سے آزادی کا استعمال کر رہے تھے۔ قوانین اگرچہ بدبودار ہیں لیکن کچھ اور چیزیں بھی ہیں جن سے بدبو آتی جیسے خیالات کے اظہار کے لیے سائبر اسپیس میں جنگل کے مادر پدر آزاد قانون کے تحت غلط معلومات پھیلانا (ڈس انفارمیشن)' تہمتیں لگانا' مربوط حملے' شہرت کو نقصان پہنچانا۔' وہ مزید کہتے ہیں کہ 'اب ہونے والی زیادتیوں کی مزاحمت کرتے ہوئے، غیر ارادی طور پر ایسا لگتا ہے کہ ہم لاقانونیت کو جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ قانون کو بدنیتی سے استعمال کرنے سے ضابطے کی ضرورت ختم نہیں ہونی چاہیے۔ ضابطے ضروری ہیں۔ ہم پلیٹ فارمز پر انحصار نہیں کر سکتے کہ وہ ضوابط بنائیں گے، ظاہر ہو گیا ہے کہ وہ اظہار رائے کو کچلنے والوں میں شامل ہیں۔'

رمیزہ نظامی کا خیال ہے کہ وی لاگرز ہر روز اپنے وی لاگز پر دیے گئے تبصرے پڑھنے سے 'کچھ جنونی' سے ہو جاتے ہیں۔ 'وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ دس لاکھ والے ویوز والی ویڈیو پر ایک ہزار تبصرے کوئی بڑی بات نہیں۔ یہ وہ خطرات ہیں جو اس وقت لاحق ہوتے ہیں جب آپ کاروبار کے خود مالک ہوں۔ ایک آدمی پر مشتمل دفتر کے مالک۔'

پچھلی دو دہائیوں میں پاکستان میں (اور عالمی سطح پر) میڈیا پر اعتماد کی کمی میں اضافہ ہوا ہے لیکن حالیہ برسوں میں اس کا ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ بڑے کاروبار سے منسلک طاقتور اسٹیک ہولڈرز، انتہائی دائیں بازو کے گروہوں، بیوروکریٹک اور فوجی و سیاسی حلقوں نے میڈیا پر سے اعتماد کو بتدریج کم کرنے کا کام کیا ہے۔ انہوں نے سوشل میڈیا صارفین کی ایک پوری نسل کو کھڑا کر دیا ہے جو ان کے بیانیے کو پھیلا سکے۔

میڈیا پر اعتماد کی کمی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ الگورتھم کی بنیاد پر نئے میڈیا کا ظہور ہو گیا اور یہ الگورتھمی میڈیا اس مواد کو فلٹر کرتا اور پھیلاتا ہے جو لوگ دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ طریق کار پرانے میڈیا کے طریق کار (گیٹ کیپنگ آپریشن جس میں مدیر خبروں اور تبصروں کی نگرانی اور جانچ کرتے تھے) سے متصادم ہے۔ رواتی میڈیا میں صحافیوں پر اخلاقیات کی پاسداری، غلطی سے پاک ہونے اور غیر جانبداری اختیار کرنے کے لیے دباؤ ہوتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان پر آمدن (ریونیو) لانے کے لیے بھی دباؤ ہوتا ہے لیکن اب یہ دباؤ الگورتھم فارمولے کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ وی لاگنگ یا گوریلا جرنلزم ایک ایسا کام ہے جس میں آپ کسی مشکل صورتحال یا خطرہ کا شکار بھی ہو سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فریڈم نیٹ ورک کے لیے کام کرنے والے اقبال خٹک اس بات پر زور دیتے ہیں کہ پریس کلبوں کو سٹیزن جرنلسٹس یا وی لاگرز کو رکن بنانے کے لیے ممبر شپ پالیسیوں پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔

یوٹیوبر صدیق جان کی بڑی خبر، بڑا صدمہ، ڈراپ سین کی ویڈیوز

یوٹیوبر صدیق جان[41] ایک ایسے شخص کی بہترین مثال ہیں جنہوں نے کسی ادارہ کی بجائے سوشل میڈیا کے ذریعے اپنا جواز اور اثر و رسوخ حاصل کیا۔ وہ ان بہت سے مبصرین میں سے ایک ہیں جن کا مرکزی دھارے کے نیوز میڈیا میں اچانک عروج سوشل میڈیا میں ان کی مقبولیت سے جڑا ہُوا ہے۔ مارچ 2023 میں اغوا اور رہائی کے بعد، وہ چار ماہ تک رُوپوش رہے۔[42] اب بھی جب وہ فون پر کسی کو ماسک میں دیکھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ وہ اس کو پکڑنے آ رہے ہیں۔

ان کے میڈیا کیریئر کا آغاز تقریباً 2015 میں فواد چودھری اور فرخ سلیم کے ساتھ ہوا۔ اس کے بعد وہ رؤف کلاسرا کے شو میں بطور سوشل میڈیا کوآرڈینیٹر بن گئے، اس وقت صدیق جان کی عمر 26 سال تھی۔ ایک موقع پر وہ بول ٹی وی چلے گئے جہاں عمران ریاض خان، سمیع ابراہیم، جمیل فاروقی بھی کام کرتے تھے۔ لیکن سوشل میڈیا پر انہوں نے سپریم کورٹ کے اُس فیصلے پر تنقید کی جو عمران خان کے خلاف تھا تو انہیں چینل نے آف ایئر کر دیا۔ صدیق جان نے یوٹیوب پر بلاگ کرنا شروع کیا۔ ان کی پہلی ویڈیو 2019 میں پوسٹ کی گئی تھی۔ آج صدیق جان کے صرف 50 فیصد (تقریباً) سامعین پاکستان میں ہیں۔ گویا اُن کے بین الاقوامی سامعین بہت زیادہ ہیں۔

یوٹیوب پاکستان کے بیشتر نیوز رومز سے بہتر ادائیگی کرتا ہے۔ ایک خیال کے طور پر اس بات پر غور کریں: ایک ایسے اس مہینے میں جب خبروں کی رفتار سست ہو، اس میں ایک دن میں تین ویڈیوز پر جو شخص لاکھوں ویوز لیتا ہے وہ ماہانہ 6 ہزار ڈالر تک کما سکتا ہے۔ یہ پلیٹ فارم ایک وی لاگر کو آزادی دیتا ہے کہ وہ جتنی دیر چاہے بات کرے، جو کہ ایک منٹ کے ٹی وی بیپرز (انٹرویو) کے مقابلہ میں بہت بہتر ہے۔ ٹی وی کے برعکس، یوٹیوب اپنے الگورتھم کی وجہ سے فوری طور پر اپنا مواد سامنے لانے اور جانبدار سامعین کی خواہشات کے مطابق بات کرنے کی گنجائش فراہم کرتا ہے۔ یہ پلیٹ فارم بنیادی طور پر ان وی لاگرز کو فائدہ دیتا ہے جو اپنے اسٹائل میں کسی واقعے کو بیان کرتے ہوئے ساتھ ساتھ اپنی رائے بھی شامل کرتے رہتے ہیں۔ صدیق جان کا کہنا ہے کہ کوئی بھی یوٹیوب پر آزادانہ طور پر بات کر سکتا ہے۔ لیکن جب صدیق جان کو چیلنج کیا گیا کہ اگر ریاست کسی کو اُٹھا لے تو یہ گفتگو اتنی بھی 'آزادانہ' نہیں رہتی تو انہوں نے کندھے اچکا کر کہا کہ 'ٹی وی پر بھی بعض اوقات کچھ کہنے پر کسی کو اٹھایا جا سکتا ہے۔'

صدیق جان کھلے عام اعلان کرتے ہیں کہ ان کا جھکاؤ پی ٹی آئی کی طرف ہے تاہم وہ اب اپنے ماضی کی طرف نظر ڈالتے ہیں تو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ خاصے تلخ ہُوا کرتے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ ''میرے الفاظ کا چناؤ ٹھیک نہیں تھا، آپ کو وقت

کے ساتھ اس کا احساس ہوتا ہے۔ میں نے ایسا اس لیے کیا کیونکہ میں نے ڈیجیٹل میڈیا کا بہت زیادہ استعمال کیا اور میرا انداز سخت ٹویٹ کرنے والا تھا۔ میں اب بھی اپنے کہے پر قائم ہوں۔ تنقید کرنا ایک چیز ہے اور کسی کی تضحیک کرنا دوسری بات ہے۔ میں نے لوگوں کی سخت تضحیک کی۔ جب میں نے سیاسی امور پر کام کرنا شروع کیا تو میں نے لوگوں کے بارے میں سخت باتیں کیں''۔ وہ اپنے اس عمل کا جواز یہ کہہ کر پیش کرتے ہیں کہ ان کے خیال میں بعض معروف صحافی متعصب تھے، اس لیے اُن صحافیوں پر اُن (صدیق جان) کی تنقید جائز تھی۔ صدیق جان کا کہنا ہے کہ اس کے باوجود، انہیں اُس وقت قدرے شرمندگی ہوتی ہے جب فیس بک سات سال پہلے کی 'میموری' پوسٹ دکھاتا تو وہ اسے اپنی فیڈ سے ڈیلیٹ کر دیتے ہیں۔

صدیق جان پر 2016 / 17 میں پاناما کیس اور 2017 / 18 میں شریف ریفرنسز کی کوریج کا بہت اثر ہوا۔ جب نواز شریف 2023 میں واپس آئے اور عمران خان حمایت سے محروم ہو گئے تو ان جیسے بلاگرز کو یہ صورتحال ہضم کرنا مشکل ہو گیا۔ 'ہم اُن سے کہا کرتے تھے کہ جناب بات یہ ہے کہ آپ نے شریف خاندان کو چور، ڈاکو اور لٹیرے کہہ کر دس سال تک عوام کے ذہنوں میں ان کے خلاف نفرت پیدا کی۔ اب، آپ انہیں اچانک واپس لا رہے ہیں؟'

صدیق جان کے ورلڈ ویو میں، کسی بات کو حتمی شکل میں کہنا کسی چیز کی تشریح کا ایک معتبر طریقہ ہے۔ اس اعلان پر غور کریں: ''نوے فیصد صحافی فوج سے رابطے میں ہیں،'' صدیق جان اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''وہ انہیں معلومات دے رہے ہیں اور لے رہے ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے کہ جو وہ سوچ رہے ہیں، وہی آپ سوچ رہے ہیں۔ آپ کی سوچ یکساں ہے۔' یہ عمل بہت عمدگی سے چلتا ہے اس وقت تک جب تک یہ کام کرنا چھوڑ نہیں دیتا۔

ایک بُرا کاروبار:

ٹی وی اشتہارات اور آمدن داؤ پر

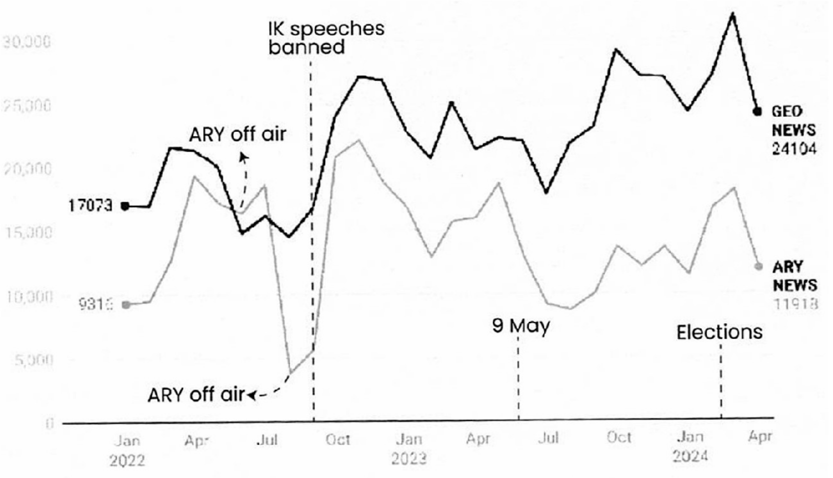

یہ ٹائم لائن اپریل ۲۰۲۲ سے اپریل ۲۰۲۴ تک اے آر وائی نیوز چینل اور جیو نیوز چینل کے چوبیس گھنٹوں کے نیوز سائکل کے گراس ریٹنگ پوائنٹس (جی آر پی) یا مجموعی مقبولیت ظاہر کرتی ہے۔اس میں اہم تاریخوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

ہمارے ماڈل کا انحصار سرکاری شعبے سے آنے والی رقم پر نہیں۔البتہ اس کی بندش ایک مسئلہ ہے

کاشف عباسی

مالی طور پر، گزشتہ دو سال میں سب سے زیادہ قابل ذکر تبدیلیوں میں سے ایک یہ تھی کہ انتخابی اخراجات ٹیلی ویژن چینلز کیلیے ایک ایسے خواب کی طرح تھے جو ادھورا رہ گیا۔ایک نیوز چینل کے سربراہ، جنہوں نے اپنے کیریئر میں چار انتخابات کی نشریات کیں، ان کا کہنا ہے ''میں نے اِتنے سستے انتخابات کبھی نہیں دیکھے۔ رمیزہ نظامی نے اس نقطہ نظر میں یہ کہہ کر اضافہ کیا کہ حتیٰ کہ حکومت کی طرف سے بھی اشتہارات کم تھے اور نگران حکومتوں نے اس سے بھی کم خرچ کیا۔ وہ کہتی ہیں 'انہوں نے اتنی بڑی مہم نہیں چلائی، یہ پچھلی بار کی صورتحال سے بہت مختلف تھا جب آمدن کئی گنا بڑھ جایا کرتی تھی۔'

تکلیف اس وقت اور بڑھ گئی جب اے آر وائی جیسے چینلز کو بند کر دیا گیا۔اینکر پرسن کاشف عباسی کا کہنا ہے کہ جیو کے بعد اے آر وائی سب سے طویل عرصہ آف ائیر رہا ہے، خاص طور پر 2022 سے۔[43] اس چینل نے ایک قیمت ادا کی ۔صابر شاکر پاکستان چھوڑ گئے۔ ارشد شریف کو قتل کر دیا گیا۔ اے آر وائی کا لائسنس منسوخ کر دیا گیا (شہباز گل کے ارشد شریف کے ساتھ انٹرویو کے بعد پریس کانفرنسوں میں اس چینل کو 'ریاست مخالف' قرار دیا گیا)۔

کاشف عباسی کا کہنا ہے کہ 'ہمارے ماڈل کا انحصار سرکاری شعبے سے آنے والی رقم پر نہیں۔البتہ اس کی بندش ایک مسئلہ ہے۔ پہلے کی طرح کامیابی کی جانب لوٹنے میں کچھ وقت لگتا ہے اور مالکان چاہتے ہیں کہ ان کا بزنس زندہ رہے۔ان کا کہنا ہے کہ ''چونکہ کوئی

بھی چینل آف ایئر نہیں ہونا چاہتا، وہ ان کے قدموں پر جا گرے گا، بھیک مانگے گا ‘التجا کرے گا اور کوئی بھی ضمانتیں دے دے گا۔ اگر آپ کے پاس آمدن نہیں تو آپ تنخواہیں کیسے دیں گے؟ اس لیے ہم تابعداری کرنے لگتے ہیں۔‘ کاشف عباسی کا کہنا ہے کہ اگر کوئی چینل تین ماہ کے لیے بند ہوجائے تو وہ ایک سال کے لیے فارغ ہوجاتا ہے۔

اظہار رائے کی آزادی مضطرب و متفکر، پریشان حال نیوز رومز میں پروان نہیں چڑھتی۔ یہ وہ پیچ ہے جس کے کس دیے جانے پر ٹی وی چینل حکومتی عنایات کی نذر ہوجاتا ہے۔ سندھ حکومت اتنے فنڈز خرچ کرتی ہے کہ جب بھی اس کے وزیر اطلاعات شرجیل میمن پریس کانفرنس کرتے ہیں تو سب چینلز اسے لائیو دکھاتے ہیں۔ عنبر رحیم شمسی بتاتی ہیں کہ ‘یہ چینلز اپنی تلاش کی ہوئی خبر کو نشر نہیں کرتے، بلکہ سارا دن اپنی خبروں میں پریس کانفرنسیں دکھاتے رہتے ہیں تاکہ پیسہ کمائیں اور اثر و رسوخ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔‘

یہ کوئی راز نہیں کہ میڈیا کی ملکیت میں ایک بڑی کشش اثر و رسوخ کا حصول ہے۔ گزشتہ دو برسوں میں چند نیوز چینلز جیسے ایک، ٹیلن (نیا نام، چینل 365) اور سنو ٹی وی سامنے آئے۔ ملکیت زیادہ تر پنجاب پر مرکوز ہے کیونکہ بہت سے رئیل اسٹیٹ گروپس کے مالکان پنجاب کے رہنے والے ہیں۔ کاشف عباسی بتاتے ہیں کہ ‘ٹی وی چینل کا مالک ہونے سے آپ کو اہم پوزیشن مل جاتی ہے۔ آپ ''بگ بوائز'' (اہم عہدوں پر فائز لوگوں) کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا چاہتے ہیں۔ ایک بار جب آپ کی اُن سے جان پہچان ہوجاتی ہے تو آپ کے بہت سارے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔‘ اگر کوئی سیاستدان میڈیا ہاؤس کا مالک بھی ہے، جیسے کہ استحکام پاکستان پارٹی کے علیم خان (وفاقی وزیر نجکاری) سماء ٹی وی کے مالک ہیں‘ محسن نقوی (نگران وزیر اعلیٰ، وفاقی وزیر داخلہ) سٹی 42 کے مالک ہیں تو پھر آزادیٔ اظہار کے معنی بالکل بدل جاتے ہیں۔

ٹی وی چینلز کو احتیاط سے چلنا ہوتا ہے، یہ دیکھتے ہوئے کہ کون سی پارٹی اقتدار میں ہے کیونکہ چینلز میں مقابلہ بازی ہوتی ہے کہ کرکٹ کی پاکستان سپر لیگ کون سا چینل نشر کرے گا (مثال کے طور پر جیو سپر اور اے آر وائی اسپورٹس میں مسابقت ہے)۔ سینئر پروڈیوسر رانا اکمل بتاتے ہیں کہ وہ اگست 2023 میں وزیر اطلاعات مریم اورنگزیب کے ساتھ پیمرا ایکٹ میں تبدیلیوں پر ہونے والے مذاکرات کا حصہ تھے۔[44] اس بات چیت کے دوران اُن پر انکشاف ہوا کہ بہت سے صحافی پیمرا کو ٹھیک کرنے سے زیادہ اپنے لیے صحت کارڈ حاصل کرنے میں دلچسپی رکھتے تھے جو کہ ان کے لیے ایک قابل فہم بات تھی۔ آخر میں یہ معاملہ صحافیوں کی مالی اور پیشہ ورانہ بقا کی سطح پر آ گیا۔

فائر والز،
بیک ڈرافٹ اور
پلیٹ فارم کا احتساب

زیر مطالعہ دو برسوں میں انٹرنیٹ میں خلل 'رکاوٹ آنے کے عمل' سروس کو مکمل بند نہ کرنے کی صورت میں کسی مخصوص پلیٹ فارم کی بندش جیسے عمل میں اضافہ ہوا۔ انٹرنیٹ کی رپورٹنگ کرنے والی صحافی رمشا جہانگیر بار بار آنے والی رکاوٹوں کو 'کلاسک ٹیسٹنگ منظر نامہ' قرار دیتی ہیں۔ ان جیسے صحافی قومی فائر وال[45] لگائے جانے کی خبر کا پیچھا کر رہے ہیں۔ اس فائر وال کا مقصد تھا ملک میں آنے والی معلومات کی نگرانی اور اس کی کانٹ چھانٹ کرنا۔[46] لیکن ان صحافیوں کو بالکل بے خبر رکھا گیا۔ پاکستان ٹیلی کمیونی کیشن اتھارٹی والے محض دو سطروں کا جواب بھیجتے کہ 'ہم اس بارے میں کچھ نہیں جانتے۔' وہ کہتی ہیں کہ 'اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ کتنی ہی بار فون کریں یا جو کچھ بھی کریں، وہاں تک رسائی بالکل نہیں ہے۔'

یہ بات اہم ہے کہ 2019 سے پی ٹی اے کی سربراہی ریٹائرڈ فوجی جرنیلوں کے پاس ہے۔[47] رمشا جہانگیر کہتی ہیں کہ ان جرنیلوں نے میری رپورٹنگ کے دوران اپنی مایوسی کا بہت زیادہ اظہار کیا اور کہا کہ 'ہر کوئی ان پر الزام لگاتا ہے، ان سے نفرت کرتا ہے۔ لیکن یہ کام اصل میں وہ نہیں کر رہے۔'

رمشا کہتی ہیں: 'کئی بار، چیزوں کو فلٹر کرنے یا بلاک کرنے کی درخواست پر بھی براہ راست پی ٹی اے کے ذریعے عمل نہیں ہوتا'۔ ان کا کہنا ہے کہ انٹرنیٹ میں تبدیلیوں پر پی ٹی اے کی رپورٹ کرنے کی صلاحیت بھی اس لیے مسدود ہو کر رہ گئی کہ ادارہ کے عملے

میں جلد جلد رد و بدل کیا جاتا ہے۔

فائر وال کا مقصد ڈیپ پیکٹ یا انکرپٹڈ ویب سائٹ کی معلومات تک رسائی حاصل کرنا ہوگا تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ صارفین کیا دیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں، ان کا آئی پی ایڈریس کیا ہے اور وہ کہاں پر مقیم ہیں۔ پرانا طریقہ یہ تھا کہ پوری ویب سائٹس کو بلاک کر دیا جائے (جیسے 2023 میں وکی پیڈیا،[48] 2018 میں عوامی ورکرز پارٹی کی ویب سائٹ،[49] اور 2024 میں پی ٹی آئی کی سائٹ)۔[50] فائر وال کی افواہوں سے پہلے، حکومت نے سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کو بند کرنے پر کام کیا۔[51]

اپنے طور پر یہ پلیٹ فارمز مزاحمت کرتے رہے۔ کئی بار، وہ قانونی حکم کے بغیر سوشل میڈیا پوسٹس کو ہٹانے کی حکومتی درخواستوں کو قبول نہیں کرتے تھے۔ حکومتیں قومی سلامتی، نفرت انگیز تقریر، غلط معلومات، یا غیر قانونی یا پرتشدد سرگرمیوں سے متعلق وجوہات کی بنا پر پوسٹس یا اکاؤنٹس کے خلاف کارروائی کر سکتی ہیں۔ کچھ ممالک میں ایسے قوانین موجود ہیں جو مخصوص قسم کے مواد (مثلاً نفرت انگیز تقریر، ہتک عزت، یا ریاست مخالف پروپیگنڈہ) کو ہٹانے کا اختیار دیتے ہیں۔ پلیٹ فارم ان قوانین کی اُن مواقع پر تعمیل کرتے ہیں جہاں قانونی طور پر ایسا کرنا ضروری ہے لیکن وہ ان کیسز میں مزاحمت کر سکتے ہیں جو تقریر کی آزادی کے اصولوں سے متصادم ہوں۔ پاکستان کے کیس کا حوالہ دیتے ہوئے رمشا جہانگیر کہتی ہیں، ''ہمیں حکومتی درخواستوں کے بارے میں زیادہ علم نہیں۔'' پوسٹوں اور اکاؤنٹس کو ہٹانے کی حکومتی درخواستوں کی تعداد اور نوعیت کے بارے میں بڑے پلیٹ فارمز اکثر باقاعدہ طور پر شفاف رپورٹس شائع کرتے ہیں کہ ان میں سے کتنی درخواستوں کی تعمیل کی گئی اور انہیں کیا وجوہات دی گئی تھیں۔

جو پلیٹ فارمز سرکاری درخواستوں پر عمل کرتے ہیں اُن کے تعمیل سے متعلق جو اعداد و شمار معلوم ہوئے وہ انکشاف کا درجہ رکھتے ہیں۔ تاہم یہ ڈیٹا ملک میں استعمال ہونے والے ہر پلیٹ فارم پر لاگو نہیں ہوتا۔ مقامی قانون (جولائی سے دسمبر 2023 تک) کی وجہ سے فیس بک نے جس مواد پر مجموعی طور پر پابندیاں لگائیں اس کے اعتبار سے پاکستان عالمی سطح پر ساتویں نمبر پر ہے۔[52] پی ٹی اے نے 19 جولائی 2024 تک اسلام مخالف، ناشائستہ[53] اور غیر اخلاقی کی بنا پر تقریباً تیرہ لاکھ یو آر ایل بلاک کرنے کا اعلان کیا۔ جو وجوہات بیان کی گئیں وہ ایسی اصطلاحات ہیں جو قانونی طور پر مبہم ہیں اور مخصوص یا ہدف پر مبنی' ٹارگٹڈ تشریح کی اجازت دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں کسی پلیٹ فارم نے اپنا دفتر نہیں کھولا۔ سال 2020 سے ٹک ٹاک پر اب تک چار بار پابندی لگائی جا چکی ہے۔[54] جب سے اس پلیٹ فارم نے اپنی مقامی نمائندگی بڑھائی ہے سرکاری درخواستوں کی تعمیل کرنے میں یہ سب سے اُوپر ہے۔[55]

ان تبدیلیوں سے پاکستانی ٹک ٹاک انفلوئنسر کی معیشت کو فائدہ ہوا ہے تاہم اُن پر دباؤ ڈالنا بھی آسان ہوگیا ہے۔

مسئلے کی جڑ انٹرنیٹ[56] اور انٹرنیٹ گورننس کے ادراک کی ناکامی ہے۔[57] 'میڈیا میٹرز فار ڈیموکریسی' (جمہوریت کے لیے میڈیا اہم ہے) نامی غیر سرکاری تنظیم کی شریک بانی صدف خان کہتی ہیں کہ زیادہ تر پالیسی سازوں کا خیال ہے کہ انٹرنیٹ سوشل میڈیا ہے اور سوشل میڈیا انٹرنیٹ ہے۔ لیکن انٹرنیٹ ایک عالمی ٹیکنالوجی ہے نہ کہ صرف ایک سوشل میڈیا پلیٹ فارم۔ ایک آفاقی آلہ (جو چیز دنیا بھر میں استعمال کی جاتی ہے) کے طور پر، انٹرنیٹ کو تو ریگولیٹ نہیں کیا جاسکتا۔ ہمارے پاس اِس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتے ہیں کہ پورنوگرافی، کرپٹو، ڈارک ویب اور ٹویٹر/ایکس پر پابندی کارگر نہیں ہوئی؟ صدف خان کا خیال ہے کہ گزشتہ چند برسوں میں آزادی اظہار کی بحث اخلاقیات اور ثقافت سے ہٹ کر ایک نظریے کو ریاست مخالف قرار دینے کی طرف منتقل ہوگئی ہے۔ اس کا فائدہ سیاسی جماعتوں کو ہوا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ 'ہمیں معلوم ہے کہ ہر سال ایک سو سے زیادہ انٹرنز (عملی تجربہ حاصل کرنیکے لیے زیر تربیت افراد) آئی ایس پی آر کے سوشل میڈیا ڈیسک پر کام کرتے ہیں، لیکن ہمیں نہیں معلوم کہ سیاسی جماعتوں کے سوشل میڈیا ڈیسک کیسے کام کرتے ہیں' پی ٹی آئی کے سوشل میڈیا سیلز میں کتنے لوگ کام کرتے ہیں' کتنے لوگ مسلم لیگ ن، ٹی ایل پی (تحریک لبیک پاکستان) کے لیے کام کرتے ہیں۔'

ظاہر تو یہ کیا جاتا ہے کہ ایکس جیسے پلیٹ فارم پر کام کرنے والے حقیقی لوگ ہیں لیکن یہ عمل شفاف نہیں ہے۔ یہ ایک ایسے وقت میں ہو رہا ہے جب انٹرنیٹ اُن لوگوں کو بھی دستیاب ہو گیا ہے جو پہلے اس سے جڑے ہوئے نہیں تھے۔ اور اب انٹرنیٹ پر اردو زبان سیاسی ابلاغ کے ذریعے کے طور پر استعمال ہو رہی ہے۔ صدف خان کہتی ہیں، محنت کش طبقہ (ورکنگ کلاس) سے کبھی خطرہ نہیں تھا، کسی کو پیسے اور بیانیے کی فکر نہیں تھی، لیکن مسئلہ یہ ہوگیا ہے کہ اب اس طبقہ کے لوگ ایک دوسرے سے جُڑ گئے ہیں۔ جب ممالک نے مختلف پلیٹ فارمز کو خبریں شائع کرنے سے روک دیا، تو اس کا ایک غیرارادی نتیجہ یہ نکلا کہ محکوم مقامی کمیونٹیز کا ایک دوسرے سے رابطہ منقطع ہوگیا۔ پاکستان میں نیٹ ورک میں جڑے ہوئے عوام کے لیے بھی یہی خطرہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مواد کیلیے ضابطے بنانے اور نقصانات کو کم سے کم کرنے کے بارے میں ایک متوازن مباحثہ ضروری ہے۔ انسانی حقوق کیلیے کام کرنے والوں نے روایتی طور پر اس توازن کو حاصل کرنے کے لیے اکثر جدوجہد کی ہے۔

> لیکن انٹرنیٹ ایک عالمی ٹیکنالوجی ہے نہ کہ صرف ایک سوشل میڈیا پلیٹ فارم۔ ایک آفاقی آلہ (جو چیز دنیا بھر میں استعمال کی جاتی ہے) کے طور پر، انٹرنیٹ کو تو ریگولیٹ نہیں کیا جاسکتا۔ ہمارے پاس اِس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتے ہیں کہ پورنوگرافی، کرپٹو، ڈارک ویب اور ٹویٹر/ایکس پر پابندی کارگر نہیں ہوئی؟
>
> صدف خان

غلط معلومات اور حقائق کی جانچ

پاکستان میں حقائق کی جانچ کرنے کی تین قابل ذکر سروسز ہیں: جیو فیکٹ چیک[58]، سوچ[59] اور آئی ویریفائی۔[60] مزید ادارے تشکیل کے مراحل میں ہیں۔[61] تاہم ٹوئٹر یا ایکس کی بندش نے ان کے کام کو متاثر کیا ہے۔ آئی ویریفائی کے ساتھ منسلک عنبر رحیم شمسی کہتی ہیں اگر آپ وی پی اینز کے ذریعے پاکستان کے ٹرینڈز اور اعداد و شمار نہیں دیکھ سکتے تو اس سے رسائی اور انگیج منٹس کے اعداد و شمار حاصل نہیں ہوتا۔

چونکہ وی پی این کسی شخص کے اصل مقام کو چھپا لیتے ہیں، اس کا پتہ لگانا تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے کہ کون سا مواد پاکستان سے اپلوڈ ہو رہا ہے، اور کون سا بیرون ملک سے آ رہا ہے۔ اس کے نتیجے میں ٹرینڈز اور مواد کی درست ٹریکنگ نہیں ہو پاتی اور حقائق جانچنے کے عمل میں رکاوٹ پڑتی ہے اور یہ دیکھنے میں بھی رکاوٹ ہوتی ہے کہ غلط معلومات اور نفرت انگیز بیان کہاں سے جنم لے رہے ہیں۔ تاہم، جھوٹے بیانیے پھیلانے والوں پر ایسی پابندی کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

مایوسی کی بات یہ ہے کہ اس کی بجائے کہ بر وقت جعلی خبروں کا توڑ کیا جاتا، سرکاری حکام اس وقت خاموش ہو گئے جب بعض دعووں میں تیس سے چالیس فیصد اضافہ ہو گیا۔ ان دعووں میں عمران خان کی جعلسازی سے بنائی گئی تصاویر اور ان کی ویڈیوز، حکومتی نوٹیفکیشن، پی ٹی آئی کے خلاف الزامات، پی ٹی آئی سے متعلق اداروں اور محکموں کے نوٹیفکیشن، اور سوشل میڈیا پر اہم سیاستدانوں، اعلیٰ شخصیات اور بڑے نامی گرامی صحافیوں کی انتخابات سے قبل کی گئی پوسٹس شامل تھیں۔ سماجی و سیاسی حالات میں تبدیلی کے بارے میں کالم نگار فصیح ذکا کا نقطہ نظر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ 'پہلے، فوج اور پی ٹی آئی مل کر ایک طاقت کے طور پر کام کرتے تھے۔ اب، یہ دونوں ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ اس طرح کسی بھی عہدے کی وہی حیثیت یا طاقت نہیں رہی جو پہلے تھی کیونکہ اب یہ دونوں قوتیں ایک دوسرے کی مخالف ہیں۔ شاید غلط معلومات بنانے کی شرح میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، لیکن جو کچھ بدلا ہے وہ اس کا اثر ہے کیونکہ اب وہ قوتیں نہیں ہیں جو ان کے اثر کو ماضی کی طرح فروغ دے رہی ہوں۔'

حرفِ آخر: امید کی کرن

سنسر شپ کی مفلوج کن صورتحال کے باوجود، ستمبر 2023 میں پاکستان کے نئے تعینات ہونے والے چیف جسٹس نے سپریم کورٹ کی کارروائی کی پہلی بار براہ راست نشریات کی اجازت دینے کا فیصلہ کیا جس نے ریاست کے اعلیٰ ترین ستون میں معلومات کے معیار اور شفافیت پر واضح اثر ڈالا۔[62] مثال کے طور پر، عدالتی رپورٹر حسنات ملک کا کہنا ہے کہ انہیں لگتا ہے کہ براہ راست نشریات نے ان کی رپورٹنگ کو غلطی سے پاک (درستگی) ہونے میں اضافہ کیا۔ اس سے سامعین کے نزدیک عدالت کے نامہ نگاروں کی قدر اور احترام میں بھی بظاہر اضافہ ہوا کیونکہ ہر کوئی عدالتی کارروائی کو خود سے نہیں سمجھ سکتا۔

رمشا جہانگیر کہتی ہیں کہ یہ کریڈٹ پی ٹی آئی کو جاتا ہے کہ وہ سنسر شپ کے ایشو پر قومی گفتگو کو مرکزی دھارے میں لے آئی۔ وہ کہتی ہیں "مجموعی طور پر رجحانات، صحافیوں کو نشانہ بنانے کے قوانین، جاسوسی کرنے کے حربے اور مربوط حملے پہلے کی طرح ہیں، جو چیز منفرد ہے وہ یہ ہے کہ پی ٹی آئی نے جس طریقے سے مزاحمت اور بیداری پیدا کرنے کے لیے سنسر شپ کو توڑا اور (متضاد طور پر یہ کہ) جتنی زیادہ سنسر شپ بڑھی، پاکستان میں اتنے ہی زیادہ لوگ اس کے بارے میں آگاہ ہوئے اور انہیں معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ کہاں سے ہو رہا ہے۔

یہاں پر زبیر نبی کے تحقیقی مطالعہ سے کچھ اخذ کرنا مفید ہوگا۔ ان کے مطالعہ کا عنوان ہے "مزاحمتی سنسر شپ فضول ہے۔" اس کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ ویب تجزیات کے ذریعے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ 2008 سے سوشل میڈیا پر لگائی جانے والی پابندیاں غیر موثر تھیں، اور یہ بات آج موجودہ حالات پر بھی لاگو ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ 'سنسر شپ بے کار ہے کیونکہ یہ نہ صرف رسائی کو محدود کرنے میں غیر موثر رہی، بلکہ سنسر شپ کے دوران ضمنی اثرات یہ ہوئے کہ ممنوعہ مواد مقبول ہوگیا۔[63] اس رجحان کو اکثر متضاد اثر یا ایک اصطلاح میں 'اسٹرائی سنڈ ایفیکٹ' کہا جاتا ہے۔[64]

اچھا ہوگا کہ ایک نظر چاروں طرف ڈال لی جائے۔ اس سے کچھ تسلی بھی ہو جائے گی۔ جیو کے رپورٹر اعزاز سید کے گھر پر 14 سال قبل ان کی صحافت کی وجہ سے حملہ ہوا تھا، وہ اب بھی یہاں ہی موجود ہیں۔ وہ کہتے ہیں 'یہاں اظہار رائے کی آزادی کی کبھی اجازت نہیں دی گئی۔ دو طرح کے دور گزرے ہیں: پہلا کم آزادی اظہار کا اور دوسرا آزادی اظہار کے بغیر۔ دونوں ادوار میں لوگوں اور میڈیا نے بہرحال اپنی بات کی۔'

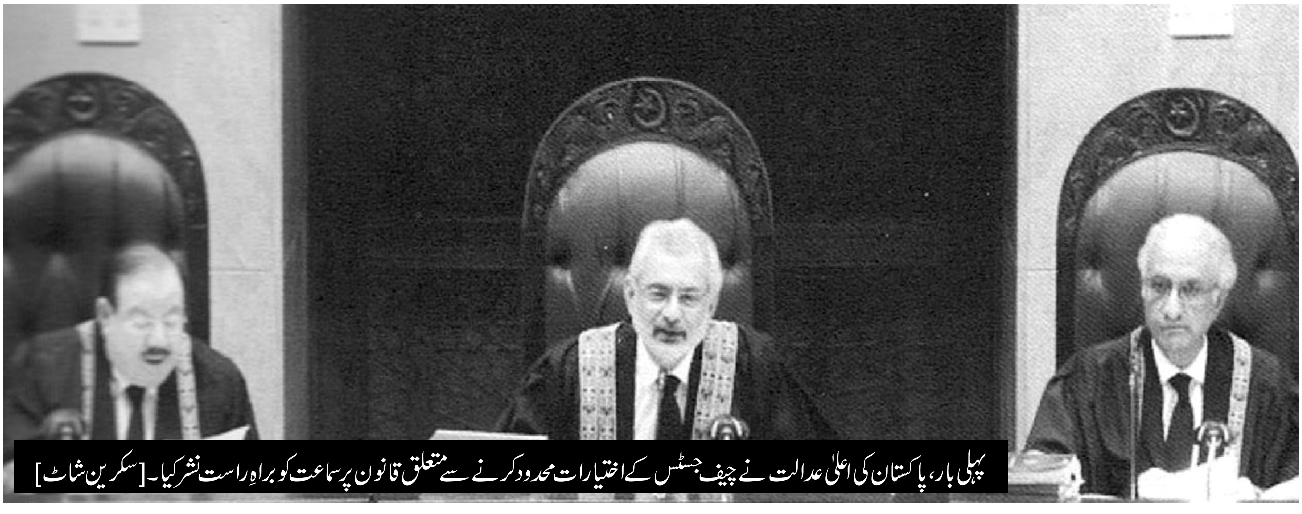

پہلی بار، پاکستان کی اعلیٰ عدالت نے چیف جسٹس کے اختیارات محدود کرنے سے متعلق قانون پر سماعت کو براہ راست نشر کیا۔ [سکرین شاٹ]

حوالہ جات

1 ویب سائٹ ریختہ سے:
https://www.rekhta.org/couplets/zabaan-bandii-ke-mausam-men-galii-kuuchon-kii-mat-puuchho-anjum-khaleeq-couplets?lang=ur

2 Index on Censorship. (2024, February 19). Pakistan election surprise highlights ways to fight censorship. https://www.indexoncensorship.org/?s=Pakistan&id=114715

3 پریس فریڈم انڈیکس میں 180 مما لک مین پاکستان کا درجہ 150واں ہے۔

4 پاکستان میں کسی بھی وزیراعظم نے وزارت عظمی کی اپنی مدت مکمل نہیں کی۔ دیکھیے:
https://www.britannica.com/topic/list-of-prime-ministers-of-Pakistan-2230533

5 A. Hussain. (2023, March 6). Pakistan bans airing of Imran Khan speeches, suspends TV channel. AlJazeera.

6 https://www.aljazeera.com/news/2023/3/6/pakistan-bans-airing-of-imran-khan-speeches-suspends-ary-channel
A. Hussain. (2022, October 24). Outspoken Pakistani journalist Arshad Sharif killed in Kenya. Al Jazeera. https://www.aljazeera.com/news/2022/10/24/prominent-pakistani-journalist-sharif-shot-dead-in-kenya

7 G. Naiyyar et al. (2022, November 4). Ousted Pakistan PM Imran Khan shot in shin in what aides call assassination attempt. Reuters.

8 8 A timeline of arrests. (2023, May 9). Al Jazeera.
https://www.aljazeera.com/news/2023/5/9/timeline-imran-khan-from-ouster-to-arrest-in-pakistan

9 I. Ahmed. (2023). Unpacking Imran Khan's arrest and its aftermath. Institute of South Asian Studies. https://www.isas.nus.edu.sg/papers/unpacking-imran-khans-arrest-and-its-aftermath/

10 A. Hussain. (2023, May 23). Journalist Imran Riaz Khan still missing in Pakistan. Al Jazeera. https://www.aljazeera.com/news/2023/5/23/journalist-imran-riaz-khan-still-missing-in-pakistan

11 Pakistan ex-PM's party loses election symbol. Will it hurt its prospects? (2024, January 23). Al Jazeera. https://www.aljazeera.com/news/2024/1/23/pakistan-ex-pms-party-loses-election-symbol-will-it-hurt-its-prospects

12 S. Mishra. (2024, February 17). Pakistan elections: Rawalpindi commissioner resigns admitting to tampering results. Independent.
https://www.independent.co.uk/asia/south-asia/pakistan-elections-rigging-imran-khan-b2497875.html

13 Amnesty International. (2024, March 15). Pakistan: Civil society joint statement responding to network shutdowns and platform blocking. https://www.amnesty.org/en/documents/asa33/7834/2024/en/

14 A. Shahzad. (2024, April 18). Social media platform X blocked in Pakistan over national security, ministry says. Reuters.
https://www.reuters.com/world/asia-pacific/pakistan-blocked-social-media-platform-x-over-nationalsecurity-ministry-says-2024-04-17/

15 J. Collins. (2021). Allow me to say this: Free speech absolutism is hitting the buffers. Times Literary Supplement.
https://www.the-tls.co.uk/politics-society/law/dangerous-ideas-eric-berkowitz-matter-of-obscenity-christopher-hilliard-book-review-jeffrey-collins/

16 S. Zaman. (2024, July 26). Pakistani minister confirms internet firewall, rejects censorship concerns. VOA News.

https://www.voanews.com/a/pakistani-minister-confirms-internet-firewall-rejects-censorship-concerns/7714552.html

17 بین الاقوامی عہدنامہ برائے سول اور سیاسی حقوق کا آرٹیکل ۱۹ جو کہتا ہے: ہر کسی کو کسی مداخلت کے بغیر اپنی رائے رکھنے کا حق ہوگا۔ ہر کسی کو اظہار رائے کی آزادی کا حق ہوگا؛ اس حق میں معلومات اور ہر طرح کے خیالات جاننے' حاصل کرنے اور دوسروں کو پہنچانے کی آزادی شامل ہے' سرحدوں سے ماورا' خواہ زبانی یا تحریری شکل میں' آرٹ کی صورت میں یا اس کی پسند کے کسی بھی میڈیا کے ذریعے۔

18 L. Reed & D. Boyd. (2016). Who controls the public sphere in an era of algorithms? Data and Society. https://datasociety.net/library/who-controls-the-public-sphere-in-an-era-of-algorithms-questions-andassumptions/

19 19 بعض لوگوں کا گرہ (عوام' پبلک) غلبہ پسندی کو رد کرنیوالے اپنے خیالات اور حکمت عملیوں کو پوشیدہ کرنے کے لیے خود کو ایک حصار میں بند کر لیتا ہے تاکہ وہ پابندیوں سے بچ سکے اور اپنا وجود برقرار رکھ سکے جبکہ وہ لوگ حصار کے اندر جاندار مباحثہ اور منصوبہ بندی کرتے رہتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ایسے کاونٹر پبلک (کنارے پر لگا دیے گئے محروم لوگوں کا گوشہ) کو جنم دیا جائے جو وسیع تر عوام سے مباحثہ کرے تاکہ اپنے خیالات کو جانچ سکے اور سماجی تحریکوں کے روایتی حربوں کو استعمال کرے (بائیکاٹ' سول نافرمانی)۔ بالآخر' ایک گروہ (عوام) جو دوسرے گروہوں (عوام) سے خود کو الگ کر لینا چاہتا ہے' ظالمانہ تعلقات کے علاوہ کچھ اور وجوہات کی بنا پر لیکن وقتاً فوقتاً وسیع عوامی مباحثہ میں شریک رہ کر عوامی دائرہ کے ایک سیٹلائیٹ کے طور پر عمل کرتا ہے۔

20 ‘A public can enclave itself, hiding counterhegemonic ideas and strategies in order to survive or avoid sanctions, while internally producing lively debate and planning. It is also possible to create a counterpublic which can engage in debate with wider publics to test ideas and perhaps utilize traditional social movement tactics (boycotts, civil disobedience). Finally, a public that seeks separation from other publics for reasons other than oppressive relations but is involved in wider public discourses from time to time acts as a satellite public sphere.’ See: C. Squires. (2002). Rethinking the black public sphere: An alternative vocabulary for multiple public spheres. Communication Theory, 12(4).

21 J. D. Bolter. (2019). The digital plenitude: The decline of elite culture and rise of digital media. MIT Press.

22 جوزف اسٹالن جیسی تاریخی شخصیت نے اُس تناؤ کا احاطہ کیا ہے جو جدیدیت کی جستجو اور کنٹرول کرنے کی لازمی ضرورت کے درمیان ہوتی ہے۔ جب انہیں تجویز دی گئی کہ سویت یونین کی نوزائیدہ ریاست کے لیے ایک جدید ٹیلی فون نظام بنانا ہے تو اسٹالن نے کہا کہ 'میرے خیال میں موجودہ وقت میں اس سے بڑا ردِ انقلاب آلہ نہیں ہوسکتا۔

23 ایک میڈیم کی چیز کو دوسرے میڈیم میں دوبارہ پیش کرنے کو زیادہ مناسب الفاظ میں 'تلافی کرنے کا عمل' (remediation) کہا جاسکتا ہے۔ مثلاً حامد میر کا شو 'کیپٹل ٹاک' جیو ٹیلی ویژن پر نشر ہوتا ہے لیکن اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ایم پی تھری فارمیٹ میں ٹک ٹاک یا ویڈیو کلپس کی شکل میں ایکس پر بھی موجود ہوتے ہیں۔ ہے تو یہ ٹیلی ویژن لیکن ایک تبدیل شدہ ڈیجیٹل شکل میں آن لائن۔

24 A. Hussain. (2022, October 24). Outspoken Pakistani journalist Arshad Sharif killed in Kenya. Al Jazeera. https://www.aljazeera.com/news/2022/10/24/prominent-pakistani-journalist-sharif-shot-dead-in-kenya

25 Pakistan: Ex-PM’s aide, TV station staff face sedition charges. (2022, August 10). Al Jazeera. https://www.aljazeera.com/news/2022/8/10/ex-pm-khans-aide-tv-channel-face-sedition-charges-in-pakistan

26 K. Abbasi. (2019, April 16). 26 ex-army officers allowed to appear on media as defence analysts. Dawn.https://www.dawn.com/news/1476377

27 Special report: May 9, mayhem and military trials—A year on. (2024, May 9). Dawn.https://www.dawn.com/news/1832279

28 صحافی اعزاز سید جو 'ٹاک شوک' پروگرام کرتے ہیں ان کا دعویٰ ہے کہ تیس جولائی ۲۰۲۴ کو ایک اور اجلاس رپورٹ ہوا جس میں میڈیا مالکان نے مزاحمت کی اور کہا کہ اس پالیسی کے باعث ان کے کاروبار داؤ پر لگ گئے ہیں۔

29 اعزاز سید نے رپورٹ کیا کہ جولائی کے آخر میں دوسری بار بھی میٹنگ ہوئی۔ دیکھیے:
https://www.youtube.com/watch?v=ROmr76gUr0k (21:00)

30 Court grants journalist Asad Toor bail, orders release. (2024, March 16). The Friday Times. https://thefridaytimes.com/16-Mar-2024/court-grants-journalist-asad-toor-bail-orders-release

31 More tough days ahead for journalism in Pakistan, sacked Matiullah tells DW. (2018, November 13). Journalism Pakistan. https://www.journalismpakistan.com/more-tough-days-ahead-for-journalism-in-pakistan-sacked-mat

iullah-tells-dw

32 News Updates. (2022, May 30). Imran Riaz Khan fun with Matiullah Jan | Matiullah Jan rape in army custody Imran Khan vs Matiullah. https://www.youtube.com/watch?v=CBzzQUBFbKU

33 عمران ریاض خان کو شروع میں گیارہ مئی ۲۰۲۳ کو حراست میں لیا گیا تھا اور جیل سے رہا کر دیا گیا تھا۔ لیکن بعد میں چار ماہ کے لیے جبری طور پر غائب کر دیا گیا۔

34 Fact-check: Two ordinances, 76 laws passed during PDM's tenure. (2023, September 13). Geo TV. https://www.geo.tv/latest/509698-fact-check-two-ordinances-76-laws-passed-during-pdms-tenure

35 K. Ali. (2023, July 27). Impact of new 'cyber laws' may be felt far and wide. Dawn. https://www.dawn.com/news/1766979

36 K. Ali. (2023, July 21). Pemra bill altering definition of disinformation unveiled. Dawn. https://www.dawn.com/news/1765918

37 Gazette notifications of Army Act, Secrets Law issued after controversy. (2023, August 21). ARY News. https://arynews.tv/gazette-notifications-of-army-act-secrets-law-issued-after-controversy/

38 ریما عمر نے 'لافیئر' (مخالف کو نقصان پہنچانے یا سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لیے قانون کا استعمال کرنا) کے مظہر کی تشریح کی ہے۔ دیکھیے:
R. Omer. (2024,April 20). Rule by law. Dawn.https://www.dawn.com/news/1828563

39 K. Ali. (2022, June 9). Over half of Pakistani YouTube channels' viewership based abroad. Dawn. https://www.dawn.com/news/1693899

40 Youtube CPM & RPM Rates by Country 2024 [Updated]. (2024, August 1). Blogger Nexus. https://bloggernexus.com/youtube-cpm-and-rpm-rates-by-country/

41 صدیق جان کے اپنے یوٹیوب چینل پر دس لاکھ سبسکرائیبرز ہیں۔

42 S. Qarar. (2023, March 21). Journalist Siddique Jan remanded in police custody for one day in Judicial Complex violence case. Dawn. https://www.dawn.com/news/1743389

43 C. Tobitt. (2023, November 29). Qualified privilege defence to be tested in UK libel battle between two Pakistani broadcasters. Press Gazette. https://pressgazette.co.uk/media_law/qualified-privilege-defence-libel-defamation-act-ary-geo-news/

44 S. Khan. (2023, August 15). President Alvi signs Pemra amendment bill into law. Dawn. https://www.dawn.com/news/1770281

45 U. Ali & R. Jahangir. (2019, October 24). Pakistan moves to install nationwide 'web monitoring system'.Coda

46 D. Antoniuk. (2024, March 5). In Pakistan, threats continue to internet access, including social media.The Record. https://therecord.media/pakistan-internet-social-media-restrictions-outages

47 T. Amin. (2023, May 31). New PTA chairman assumes charge. Business Recorder. https://www.brecorder.com/news/40245152

48 PTI says its websites 'blocked' in Pakistan ahead of Feb 8 polls. (2024, January 26). Dawn. https://www.dawn.com/news/1808757

49 Committee to Protect Journalists. (2020, February 13). Pakistan government secretly passes strict social media regulations. https://cpj.org/2020/02/pakistan-government-secretly-passes-strict-social/

50 Meta Transparency Centre. (n.d.). Content restrictions based on local law. https://transparency.meta.com/reports/content-restrictions/

51 PTA blocks 1.3 million URLs for offensive content amid TikTok controversy. (2024, November 23).Profit. https://profit.pakistantoday.com.pk/2024/11/03/pta-blocks-1-3-million-urls-for-offensive-content-amid-tiktok-controversy/

52 S. Saifi. (2021, March 12). Pakistan bans TikTok again. CNN.

https://edition.cnn.com/2021/03/12/tech/tiktok-pakistan-ban-intl-hnk/index.html

53 ٹک ٹاک کا کہنا ہے کہ اس نے پاکستان کے اکاؤنٹس سے تین کروڑ سے زیادہ ویڈیوز ہٹائی ہیں۔ مئی 2024 میں ٹک ٹاک نے یہ رپورٹ کیا: 'ایسے اکاؤنٹس جو پاکستان میں سیاسی مباحثہ سے متعلق ہیں: ہمارا تخمینہ ہے کہ یہ نیٹ ورک (چھتیس افراد جن کے 206463 فالورز ہیں) جسے پاکستان سے چلایا جاتا ہے اس نے پاکستانی سامعین کو اپنا مخاطب بنایا۔ اس نیٹ ورک کے پیچھے لوگوں نے جعلی نام اختیار کیے تاکہ اردو زبان میں ایسا بیانیہ بڑھا چڑھا کر پیش کریں جو ایک سیاسی شخصیت کے حق میں تھا اور ان کی کوشش پاکستان میں الیکشن کے بیانیہ کو متاثر کرنا تھا۔ یہ جعلی نام یا اشخاص پہلے سے دستیاب بصری خاکوں یا غیر حقیقی شبیہوں یا پروفائل تصاویر کی مدد سے بنائے گئے۔

56 See Facebook Papers at https://facebookpapers.com/

57 گزشتہ تین برسوں میں دس برس کے سوچ و بچار کے بعد یونیسکو کی رپور بعنوان 'انٹرنیٹ برائے مستقبل' انٹرنیٹ برائے اعتماد' نے اس بات کی وضاحت کرنے کی کوشش کی کہ آنے والے دنوں میں انٹرنیٹ کیسا ہوگا۔

58 Available at https://www.geo.tv/category/geo-fact-check

59 Available at https://www.sochfactcheck.com/

60 Available at https://pak.i-verify.org/

61 ایم ایم ایف ڈی نے مارچ 2024 میں 'فیکٹر' لانچ کیا۔ دیکھیے:
https://mediamatters.pk/media-matters-for-democracy-launches-facter-a-collaborative-digital-tool-for-newsrooms-to-counter-misinformation/

62 A. Shahzad. (2023, September 18). Pakistan’s top court proceedings shown live on TV for first time.Reuters. https://www.reuters.com/world/asia-pacific/pakistans-top-court-proceedings-shown-live-tv-first-time-2023-09-18/

63 Z. Nabi. (2014). Resistance censorship is futile. https://arxiv.org/pdf/1411.0225

64 یہ آبزرویشن اُس وقت دی گئی جب امریکی موسیقار باربرا سٹرائی سنڈ نے کیلیفورنیا کوسٹ ریکارڈز کی ویب سائٹ پر اپنے محل نما بنگلہ کی فوٹو ہٹانے کے لیے مقدمہ کیا۔ مقدمہ میں عدالت کی توجہ فوٹو کی طرف مبذول کرائی گئی تھی جنہیں دیکھنے کے لیے ویب سائٹ پر لاکھوں ویورز آ گئے تھے۔